ماہانہ تحقیقی مجلّہ

الاسلام ریئل

جلد نمبر۲، شمارہ نمبر۱، جنوری ۲۰۲۱ء

نوجوانوں کی کردار سازی اسوہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں

اصل عیسائی کون؟؟؟

کشاف اصطلاحات مغرب

تنقید کی آڑ میں تنقیص

ماہانہ آنلائن

تحقیقی مجلہ

جلد نمبر2: شمارہ نمبر 1: جنوری 2021ء

ایڈیٹر:

مفتی سعد کامران (فاضل علوم اسلامیہ، ایم فل اسلامک سٹڈیز)

معاون ایڈیٹر:

حسن معاویہ امین چنیوٹی (بی ایس سی ماس کمیونیکیٹ)

معاون خصوصی:

محترم فرمان شیخ (ایم اے، ایم ایڈ، ایم فل، فاضل تقابل ادیان)

مضامین ارسال کرنے اور مجلہ کے حصول کے لیے رابطہ فرمائیں۔

Magazine@AlislamReal.Org

03004907617-03450580470

شائع کردہ:
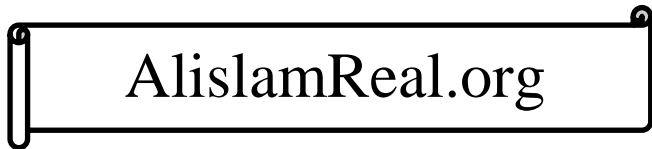
اَلْحُبُّ فِی اللّٰہِ، وَالْبُغْضُ فِی اللّٰہِ۔۔۔ Love For The Sake of Allah & Hatred For The Sake of Allah

فہرست

متفرقات

English Portion

دورِ حاضر جدید ٹیکنالوجی کا دور ہے مگر یہ ٹیکنالوجی اپنے ساتھ بے شمار فتنے ساتھ لائی ہے جن کا ہر سطح پر سدباب کرنا ہر مسلمان کا جزو ایمان ہے۔ اِس ٹیکنالوجی سے بر آمد ہونے والے فتنوں سے صرف اسلام ہی نہیں بلکہ دنیا کے ہر مذہب اور اس سے وابستہ ایمانیات متاثر ہوئی ہیں۔ مغرب کو ہی دیکھ لیں جہاں کا ہر فرد مذہب کو طاق میں رکھ کر ٹیکنالوجی کی پرستش میں مصروف ہے۔ اِس ٹیکنالوجی نے جہاں زندگی کو سہل بنادیا ہے وہیں اِس نے انسان کو اُس کے مقصد حیات سے بھی دور کر دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عصر حاضر کا ہر انسان خدا، آخرت اور نجات کے بجائے زیادہ سے زیادہ ٹیکنالوجی کے حصول کے لئے جی رہا ہے اور ایک ایسا معاشرہ وجود میں آگیا ہے جہاں لوگوں کی زندگی کا مقصد رضائے الٰہی کے بجائے ٹیکنالوجی ہے۔ اس مشینی معاشرے میں آج کا ہر انسان اس طرح جکڑا ہوا ہے کہ اپنے جیسے دوسرے لوگوں کے لئے احساسات و جذبات سے عاری ہو گیا ہے۔ اسی لئے اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

؎ ہے دل کے لیے موت مشینوں کی حکومت

احساسِ مروت کو کچل دیتے ہیں آلات

ایسے میں ضرورت اس امر کی ہے کہ اپنے اسلاف کی اقدار و روایات کو اس مادی اور مشینی دور میں زندہ رکھا جائے۔ ٹیکنالوجی سے تمتع سے انکار نہیں مگر اس کا اثر اپنی تہذیبی اقدار پر نہ ہونے دیا جائے وگرنہ ہمارا تہذیب و تمدن صرف کتابوں میں ہی باقی رہ جائے گا۔ تہذیب کو انگریزی میں Culture کہا جاتا ہے۔ کلچر کا لفظ انگریزی لفظ Cult سے نکلا ہے جس کا مطلب مذہبی فریق یا گروہ کے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب ہم کسی "کلچر" کی پیروی کر رہے ہوتے ہیں تو درحقیقت کسی "مذہبی فرقے" کے پیچھے چل رہے ہوتے ہیں۔ لہذا یہ نہیں کہا جاسکتا کہ کوئی کلچر ماورائے مذہب ہوتا ہے بلکہ ہر کلچر مخصوص اقدار و اخلاق کا ایک مکمل پیکج ہوتا ہے۔ ٹیکنالوجی کے بطن سے جنم لینے والے کلچر نے ایک ایسی اخلاقیات تشکیل دی ہیں جن کا دنیا کے کسی مذہب سے کوئی تعلق نہیں۔ اس کی چھوٹی سی مثال موبائل فون کی ہے جس میں مگن شخص

کو آپ لاکھ مخاطب کرلیں مگر وہ آپ کو سنی ان سنی کرکے کئی سیکنڈ بعد آپ کو جواب دے گا حالانکہ کسی دور بیٹھے شخص کی نسبت آپ سے گفتگو کا زیادہ حقدار وہ شخص ہے جو آپ کے قریب ہے۔ یہ تو ایک چھوٹی سی مثال ہے وگرنہ اس ٹیکنالوجی نے جو گُل کھلائے ہیں وہ کسی ذی شعور پر مخفی نہیں۔

یہاں عظیم فلسفی ارسطو کا ایک واقعہ ذکر کرتا چلوں کہ ایک مرتبہ ایک شخص نے اُس سے کچھ سوال پوچھے اور ارسطو ان میں سے بعض سوالات کا جواب نہ دے سکا۔ اِس پر وہ شخص کہنے لگا کہ اگر یہ بات تم کو بھی نہیں معلوم تو تم میں اور مجھ میں کیا فرق رہ گیا؟ ارسطو نے اسے جواب دیا کہ بہت بڑا فرق ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ مجھے نہیں معلوم جب کہ تم کو نہیں معلوم کہ تم کو معلوم نہیں ہے۔ ارسطو کا حکیمانہ جواب اِس ٹیکنالوجی کی حقیقت کو سمجھنے کے لئے کافی شافی ہے کیونکہ ہم اس کو اگرچہ استعمال تو کررہے ہیں مگر ہمیں اس کی خطرناکی کا ادراک تو کم از کم ہونا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ دور حاضر کے اِس پر فتن دور میں ہمارے ایمان کی حفاظت فرمائے کیونکہ یہی وہ دور ہے جس کی بابت مخبر صادق ﷺ نے چودہ سو سال قبل ارشاد فرمایا تھا کہ ایک زمانہ آئے گا جب کوئی شخص کسی قبر پر سے گزرے گا اور یہ تمنا کرے گا کہ کاش اس قبر والے کی جگہ میں ہوتا۔ وما علینا الا البلاغ

محمد فرمان عرفان

معاونِ خصوصی الاسلام رئیل

"جدید سائنسی نظریات کے مطابق قرآن میں قیامت کے دن کی مددت کے متعلق تضاد ہے ملحدین کے جھوٹ کا جواب"

" قرآن کریم میں ذکر ہوا ہے کہ اللہ کے نزدیک ایک دن ایک ہزار سال کے برابر ہے، ایک دوسری آیت قرآنی کہتی ہے کہ ایک دن پچاس ہزار سال کے برابر ہے، تو کیا قرآن اپنی ہی بات کی نفی نہیں کر رہا؟"

قرآن کریم کی سورۃ السجدہ اور سورۃ الحج میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ کی نظر میں جو دن ہے، وہ ہماری دانست کے مطابق ایک ہزار سال کے برابر ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے۔:

يُدَبِّرُ الْأَمْرَ مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ إِلَيْهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ أَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّونَ۔ [2]

"کام کی تدبیر فرماتا ہے آسمان سے زمین تک پھر اسی کی طرف رجوع کرے گا اس دن کہ جس کی مقدار ہزار برس ہے تمہاری گنتی میں۔"

ایک اور آیت میں ارشاد ہوا کہ اللہ کے نزدیک ایک دن تمہارے پچاس ہزار سال کے برابر ہے، ارشاد باری تعالی ہے۔:

---

[1] حافظ ابن جنید: متعلم درس نظامی

علامہ شعیب کراچی: فاضل علوم اسلامیہ

محمد شعیب احمد: علوم اسلامیہ سکالر

محمد شاہجہان اقبال: ایم فل علوم اسلامیہ

[2] سورۃ السجدہ 5:32

تَعۡرُجُ الۡمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوۡحُ اِلَيۡهِ فِىۡ يَوۡمٍ كَانَ مِقۡدَارُهٗ خَمۡسِيۡنَ اَلۡفَ سَنَةٍ[1]

"ملائکہ اور جبریل اس کی بارگاہ کی طرف عروج کرتے ہیں وہ عذاب اس دن ہوگا جس کی مقدار پچاس ہزار برس ہے"

ان آیات کا عمومی مطلب یہ ہے کہ اللہ کے وقت کا موازنہ زمینی وقت سے نہیں کیا جاسکتا۔ اس کی مثالیں زمین کے ایک ہزار سال اور پچاس ہزار سال سے دی گئی ہیں۔ بالفاظ دیگر اللہ کے نزدیک جو ایک دن ہے وہ زمین کے ہزاروں سال یا اس سے بھی بہت زیادہ عرصے کے برابر ہے۔

"یوم" کے معنی:

ان تینوں آیات میں عربی لفظ "یوم" استعمال کیا گیا ہے۔ جس کا مطلب "ایک دن" کے علاوہ "طویل عرصہ" یا "ایک دور" بھی ہے، اگر آپ یوم کا ترجمہ عرصہ (Period) کریں تو کوئی اشکال پیدا نہیں ہوگا۔

ان دونوں آیات میں کم۔ فہمی کی بنیاد پہ تعارض پیدا کرنے کی سعی لاحاصل کی گئی ہے اور یہاں بھی وہی لاعلمی حائل ہے جو اس سے قبل آیات کے اعتراض میں تھی بہر کیف آئیں اس کا تحقیقی جائزہ لیتے ہیں۔ پہلی بات تو یہ کہ ان دو آیات میں تعارض اس وقت پیدا ہو تا جب دونوں آیات کے اجزاء ایک ہی طرح کے ہوتے مثلاً کیوں کہ یہاں تعارض و تضاد وقت (Time) کے اعتبار سے پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے حالانکہ اس بات کے تعین کے بنیاد اصول دیکھے ہی نہیں گئے۔ پہلے تو وقت کی تعریف سے اعراض برتا گیا۔ دوسرا وقت کے تعین کے لیے مقام کا درست فہم سامنے نہیں رکھا گیا تیسرا جس شے نے ایک خاص وقت یا مقدار میں کوئی فاصلہ طے کیا اسے پسِ پشت ڈالا گیا۔

آئیں ان کا فرداً فرداً جائزہ لیں۔ قران مجید نے ان آیات سے پہلے تو یہ منکشف کیا کہ وقت کوئی مطلق شے نہیں ہے بلکہ یہ ایک اضافی شے ہے۔ اس کی اضافت کے بدلنے سے اس کا وقت اور دورانیہ مختلف ہو سکتا ہے۔ چونکہ جدید تھیوری کے مطابق بھی وقت کوئی مطلق شے نہیں ہے بلکہ یہ اضافی شے ہے۔ اس تھیوری کے بانی آئن سائن ہیں جنہوں نے "نظریہ اضافت" کو پیش کر کے وقت کے مطلق ہونے کو چیلنج کیا ہے۔ اور تین ابعاد میں ایک چوتھا بعد "زماں" ایڈ کر کے ایک انقلاب برپا کر دیا ہے۔

---

[1] سورۃ المعارج 4:70

زماں کیا ہے؟

"زماں حرکت کی مقدارر کانام ہے" اور حرکت کا مطلب یہ کہ ہر جسم ہر لمحہ متغیر ہو رہا ہے۔

ان مذکورہ بالا آیات کو بھی اگر آپ دیکھے تو ایک آیت کچھ یوں ہے۔

يُدَبِّرُ الْأَمْرَ مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ إِلَيْهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ أَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّونَ ۔[1]

"کام کی تدبیر فرماتا ہے آسمان سے زمین تک پھر اسی کی طرف رجوع کرے گا اس دن کہ جس کی مقدار ہزار برس ہے تمہاری گنتی میں۔"

اب اس آیت کے مقام کو دیکھیں السماء سے الارض تک معارج طے کرنے کی نسبت جب طے کرنے والے کی طرف کی تو "ایک یوم" اور ہماری گنتی میں وہ "ایک ہزار سال" کس مقام سے کس مقام تک اسے ذہن میں رکھے اور وہ کونسی شے ہے اور اس کی حرکتِ مقدار کیا ہے اسے بھی فرضی طور پہ ذہن میں رکھ کر اگلی آیت کی طرف بڑھے۔

تَعْرُجُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ إِلَيْهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ ۔[2]

"ملائکہ اور جبریل اس کی بارگاہ کی طرف عروج کرتے ہیں وہ عذاب اس دن ہوگا جس کی مقدار پچاس ہزار برس ہے"

پہلی آیت میں مقام آسمان سے زمین تک اور مقدار ایک ہزار سال اب دوسری آیت میں اللہ کی بارہ گاہ تک مقدار پچاس ہزار سال وہ بھی ہماری نسبت کے اعتبار سے۔

اب بتایئے تعارض کہاں ہے۔ آئیں اب دیکھ لیں آئن سائن اس پہ کیا کہتا ہے:

"آئن سٹائن نے بتایا ہے کہ نظری اور تجرباتی دونوں قسم کے وجوہات کی بناپر مطلق زمان اور مطلق مکان کا تصور ناقابل قبول ہے- مثلاً پہلے اس جملے کو لیجیے کی فلاں فلاں دو واقعات ایک ہی وقت میں رونما ہوئے- اگر یہ واقعات ایک ہی جگہ پر ہوں اور ایک ہی نظام میں ہوں، یعنی اگر مشاہد

---

[1] سورۃ السجدہ 5:32

[2] سورۃ المعارج 4:70

ساکن ہوں یا یکساں سیدھی رفتار سے حرکت کر رہے ہوں تو "ہم وقتی" کا ایک معین تصور کر لیا جا سکتا ہے اور اس کی واضح اور غیر مبہم تعریف کی ہو جا سکتی ہے۔ لیکن یہ تعریف اس وقت کام نہیں دے سکتی جبکہ نظام مختلف ہوں اور واقعات مختلف مقاموں پر رونما ہو۔[1] "

اب بتائیے کہ نا سمجھ پتا نہیں کس دنیا میں رہتے ہیں اور پتا نہیں کونسے وہموں کو پالے پھرتے ہیں چلو قران سے تو ان کا بغض سہی مگر دیگر کتب سے بھی یہ عاری ہیں۔ اب قران مجید کی اس آیت کو ملاحظہ فرمائیں جہاں اللہ تعالی نے حضرت عزیر پر نیند طاری کی اور دو نظاموں جو اللہ کی طرف سے نشانی دیکھانے کے لیے طاری کیے گئے کیا تھے۔

اَوْ كَالَّذِیْ مَرَّ عَلٰى قَرْیَةٍ وَّ هِیَ خَاوِیَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَاۚ-قَالَ اَنّٰى یُحْیٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَاۚ-فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗؕ-قَالَ كَمْ لَبِثْتَؕ-قَالَ لَبِثْتُ یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍؕ-قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ اِلٰى طَعَامِكَ وَ شَرَابِكَ لَمْ یَتَسَنَّهْۚ-وَ انْظُرْ اِلٰى حِمَارِكَ وَ لِنَجْعَلَكَ اٰیَةً لِّلنَّاسِ وَ انْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ كَیْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًاؕ-فَلَمَّا تَبَیَّنَ لَهٗۙ-قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔[2]

(کیا تم نے) اس شخص کو (نہ دیکھا) جس کا ایک بستی پر گزر ہوا اور وہ بستی اپنی چھتوں کے بل گری پڑی تھی تو اس شخص نے کہا: اللہ انہیں ان کی موت کے بعد کیسے زندہ کرے گا؟ تو اللہ نے اسے سو سال موت کی حالت میں رکھا پھر اسے زندہ کیا، (پھر اس شخص سے) فرمایا: تم یہاں کتنا عرصہ ٹھہرے ہو؟ اس نے عرض کی: میں ایک دن یا ایک دن سے بھی کچھ کم وقت ٹھہرا ہوں گا۔ اللہ نے فرمایا: (نہیں) بلکہ تو یہاں سو سال ٹھہرا ہے اور اپنے کھانے اور پانی کو دیکھ کہ اب تک بدبودار نہیں ہوا اور اپنے گدھے کو دیکھ (جس کی ہڈیاں تک سلامت نہ رہیں) اور یہ (سب) اس لئے (کیا گیا ہے) تاکہ ہم تمہیں لوگوں کے لئے ایک نشانی بنادیں اور ان ہڈیوں کو دیکھ کہ ہم کیسے انہیں اٹھاتے (زندہ کرتے) ہیں پھر انہیں گوشت پہناتے ہیں تو جب یہ معاملہ اس پر ظاہر ہو گیا تو وہ بول اُٹھا: میں خوب جانتا ہوں کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اس طرح کے دیگر واقعات خصوصا اصحاب کہف، حضرت سیلمان علیہ السلام کی بارگاہ میں بلقیس کا تخت، لیۃ القدر کی رات کا ایک ہزار مہینوں سے بہتر ہونا، اور دیگر واقعات موجود ہیں کہ زماں و مکاں کے بدلنے سے وقت اور مقدار گھٹتی بڑھتی ہے اور یہ اللہ کی نشانیاں ہیں۔

---

[1] دیکھیے نظریہ اضافیت

[2] سورۂ بقرہ 259:2

جدید سائنس کا موقف:

اب اس پہ بھی جدید سائنس کا موقف ملاحظہ فرمائیں:

آئن سٹائن نے مثالیں دے کر بتایا ہے کہ واقعات کا ہم وقت ہونا ایک اضافی چیز ہے - ایک مشاہد زید کے لئے جو واقعات ہم وقت ہوں، ضروری نہیں کہ دوسرے مشاہد بکر کے لیے بھی وہ ہم وقت ہوں، بلکہ یکے بعد دیگرے ہو سکتے ہیں - نہ صرف یہ بلکہ وقت کے بہاؤ کی شرح کا بھی ان دونوں کے لیے یکساں ہونا ضروری نہیں ہے - اگر دو واقعات کے درمیان زید کی گھڑی ایک گھنٹے کا واقعہ ظاہر کرے تو یہ ممکن ہے کہ انھی دو واقعات کے درمیان بکر کی گھڑی میں ایک گھنٹے سے زیادہ وقفہ معلوم ہو - اس تمام بحث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ وقت کوئی مطلق چیز نہیں بلکہ اضافی ہے ہر مشاہد کا ایک خاص ذاتی وقت ہوتا ہے اور اگر دو مشاہد ملحوظ ایک دوسرے کے اضافی حرکت کر رہے ہوں تو ان کے وقت بھی ایک دوسرے سے مختلف ہوں گے -

اس کے بعد کیا رہ جاتا ہے مگر نشانیاں عقل والوں کے لیے ہیں۔ اندھوں کے لیے کوئی دلیل کوئی ثبوت قابلِ قبول نہیں مگر ایک بات یاد رکھیں آفاق کو انفس کی نشانیاں انسان پہ واضح کر دے گی کہ وہ اللہ ہے قادرِ مطلق ہے اللہ فرماتا ہے

سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ ۗ - أَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ أَنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ۔

ابھی ہم اُنہیں دکھائیں گے اپنی آیتیں دنیا بھر میں اور خود اُن کے آپے میں یہاں تک کہ ان پر کُھل جائے کہ بے شک وہ حق ہے کیا تمہارے رب کا ہر چیز پر گواہ ہونا کافی نہیں۔

التوفیق الا باللہ

پیغمبر آخر الزماں حضرت محمد ﷺ کی حیات طیبہ ہمارے لیے اسوۂ حسنہ ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی قرآن کریم کا عملی نمونہ ہے گویا آپ ﷺ چلتا پھرتا قرآن تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ہی سے ہدایت میسر آسکتی ہے "وان تطیعوا تھتدوا"۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات اقدس کا مطالعہ کیا جائے اور اپنے کردار و عمل کو اس کے مطابق ڈھالا جائے۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت، بعثت عامہ ہے. آپ ﷺ کافۃ للناس بشیرا ونذیرا بنا کر بھیجے گئے اور آپ ﷺ کا الہ رب العالمین، کتاب ذکر للعالمین اور آپ ﷺ خود رحمت اللعالمین ہیں۔

لاکھ ستارے ہر طرف ظلمت شب جہاں جہاں

اک طلوع آفتاب صلی اللہ علیہ وسلم دشت و چمن سحر سحر

آپ ﷺ کا اسوہ حسنہ اس میں تاریخیت بھی ہے کاملیت و جامعیت اور عملیت بھی اور یہ کل انسانیت کو محیط ہے۔

اب قرآن کریم کی طرف رجوع کریں گے کہ وہ نوجوانوں کی اہمیت و کردار کے حوالے سے کیا کہتا ہے۔ قرآن مجید اصحاب کہف کے حوالے سے نوجوانوں کے کردار کو اس طرح بیان کرتا ہے:

نحن نقص علیك نبأهم بالحق انهم فتية امنوا بربهم وزدنهم هدى[2]

''ہم ان کا صحیح واقعہ تیرے سامنے بیان فرمارہے ہیں۔ یہ چند نوجوان اپنے رب پر ایمان لائے تھے اور ہم نے ان کی ہدایت میں ترقی دی تھی"۔

---

[1] عبدالحی: طالبعلم علوم اسلامیہ: شیخ زید اسلامک سنٹر

[2] الکہف:13

یہ وہ نوجوان تھے جن کے خلاف ان کی پوری قوم کھڑی ہوگئی تھی لیکن انہوں نے پھر بھی رب العالمین پر ایمان لاکر حق پرستی کا اعلان کیا۔ اللہ تعالیٰ ان کے عزائم و حوصلے اور غیر متزلزل ایمان اور ان کے عالمگیر اعلان کے بارے میں اس طرح فرماتا ہے :

وَرَبَطْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ إِذْ قَامُوا فَقَالُوا رَبُّنَا رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ لَن نَّدْعُوَ مِن دُونِهِ إِلَٰهًا ۖ لَّقَدْ قُلْنَا إِذًا شَطَطًا[1]

"ہم نے ان کے دل مضبوط کر دیئے تھے جبکہ یہ اٹھ کر کھڑے ہوئے اور کہنے لگے کہ ہمارا پروردگار تو وہی ہے جو آسمان و زمین کا پروردگار ہے، ناممکن ہے کہ ہم اس کے سوا کسی اور کو معبود کو پکاریں اگر ایسا کیا تو ہم نے نہایت ہی غلط بات کہی"۔

ان چند نوجوانوں نے اپنے زمانے میں جو کردار ادا کیا وہ تمام نوجوانوں کے لئے نمونہ عمل ہے۔ اسی طرح سے قرآن مجید میں حضرت موسی پر ایمان لانے والے چند نوجوانوں کا تذکرہ کیا حضرت موسی علیہ السلام کو قوم نے ہر طرف سے جھٹلا دیا۔ لیکن وہ چند نوجوان ہی تھے جنہوں نے کٹھن حالات میں حضرت موسی علیہ السلام کا ساتھ دیا اور ان کی نبوت پر ایمان کا اعلان کیا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَمَا آمَنَ لِمُوسَىٰ إِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّن قَوْمِهِ عَلَىٰ خَوْفٍ مِّن فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِمْ أَن يَفْتِنَهُمْ ۚ وَإِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِي الْأَرْضِ وَإِنَّهُ لَمِنَ الْمُسْرِفِينَ[2]

" پس موسیٰ (علیہ السلام) پر ان کی قوم میں سے صرف قدرے قلیل آدمی ایمان لائے وہ بھی فرعون سے اور اپنے حکام سے ڈرتے ڈرتے کہ کہیں ان کو تکلیف پہنچائے اور واقع میں فرعون اس ملک میں زور رکھتا تھا، اور یہ بھی بات تھی کہ وہ حد سے باہر ہو جاتا تھا"۔

اس آیت میں ذریۃ کا لفظ استعمال ہوا ہے جو بہت ہی جامع اور معنی خیز ہے، اس کی تشریح کرتے ہوئے مولانا مودودی فرماتے ہیں:

" آیت میں لفظ ذریتہ استعمال ہوا ہے جس کے معنی اولاد کے ہیں ہم نے اس کا ترجمہ "نوجوان" کیا ہے۔ دراصل اس خاص لفظ کے متن سے جو بات قرآن مجید بیان کرنا چاہتا ہے وہ یہ ہے کہ اس سے پر خطر زمانے میں حق کا ساتھ دینے اور علم برداری حق کو اپنار ہنما تسلیم کرنے کی جرت چند لڑکوں اور لڑکیوں نے تو کی مگر ماؤں اور باپوں اور قوم کے سن رسیدہ لوگوں کو اس کی توفیق نصیب نہ ہوئی۔ ان پر مصلحت پرستی اور دنیاوی اغراض کی بندگی اور عافیت کوشی کچھ اس طرح چھائی رہیں کہ وہ ایسے حق کا ساتھ دینے پر آمادہ نہ ہوئے جس کا راستہ ان کو خطرات سے پر نظر

---

[1] ایضاً:14

[2] یونس:83

آرہا تھا، بلکہ الٹے نوجوان ہی کو روکتے رہے کہ موسی کے قریب نہ جاؤ، ورنہ تم خود بھی فرعون کے غضب میں مبتلا ہوں گے اور ہم پر بھی آفت لاوگے"۔[1]

اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب شرک کی مذمت اور توحید کی دعوت کا کام شروع کیا تو اس واقعہ سے متعلق جو آیتیں قرآن پاک میں اتاری گئی ہیں ان میں یہ ذکر ہے کہ ان کی قوم کے لوگوں نے کہا کہ ہم سنتے ہیں کہ ایک جوان ہے جس کا نام ابراہیم ہے۔ وہ ہمارے دیوتاؤں کو برا بھلا کہتا ہے۔ اسی طرح اصحاب کہف کا واقعہ قرآن مجید نے سنایا کہ نوجوانوں کی ایک جماعت تھی جنھوں نے اللہ کے دین پر استقامت، کفر و شرک سے نفرت، توحید اور ایمان باللہ کی ایسی مثال قائم کی تھی کہ ان کے نام سے ایک پوری سورت قرآن پاک میں اتاری گئی، حضرت یوسف علیہ السلام بھی ایک جوان تھے جن کی پاکدامنی اور بے داغ جوانی کے واقعہ کو قرآن مجید نے رہتی دنیا تک جوانوں کے لیے بیان کیا ہے۔ قرآن مجید کی یہ آیتیں بتاتی ہیں کہ جوانی کی عمر عبادت، بندگی، اور کسی مشن کی تکمیل کے لیے اپنی بہترین صلاحیتوں کو خرچ کرنے کا بہترین زمانہ ہیں۔ وہی قوم آگے بڑھتی اور ترقی کرتی ہے جس کے جوان پاکیزہ، باہمت اور عالی حوصلہ ہوں۔ اقبال نے کہا تھا:

؎اس قوم کو شمشیر کی حاجت نہیں رہتی

ہے جس کے جوانوں کی خودی صورت فولاد

پھر انہوں نے جوانوں کو حوصلہ دیتے ہوئے کہا

نہ ہو نومید نومیدی زوال علم و عرفاں ہے

امید مرد مومن ہے خدا کے رازدانوں میں

نہیں تیرا نشیمن قصر سلطانی کے گنبد پر

تو شاہیں ہے بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں میں

اسی طرح حدیثِ رسولؐ میں بھی نوجوانوں کے کردار اور ان کے لئے رہنما اصول کثرت سے ملتے ہیں۔ نوجوانی کی عمر انسان کی زندگی کا قوی ترین دور ہوتا ہے۔ اس عمر میں نوجوان جو چاہے کر سکتا ہے۔ انسان اس عمر کو اگر صحیح طور سے برتنے کی کوشش کرے تو ہر قسم کی کامیابی اس

---

[1] مودودی، ابوالاعلیٰ، تفہیم القرآن، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، اکتوبر 2016، ج2، ص304

کے قدم چومے گی اور اگر اس عمر میں وہ کوتاہی اور لاپرواہی برتے گا تو عمر بھر اس کو اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔ جوانی کی عمر اللہ تعالی کی طرف سے ہر فرد کے لیے ایک بڑی نعمت ہے، اس لیے اس کے بارے میں قیامت کے دن خصوصی طور پر پوچھا جائے گا حضرت ابن مسعود سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا:

فعن أبي برزة نضلة بن عبيد الأسلمي قال: قال رسول الله ﷺ: لا تزول قدما عبد يوم القيامة حتى يسأل عن عمره فيم أفناه؟ وعن علمه فيم فعل فيه؟ وعن ماله من أين اكتسبه؟ وفيم أنفقه؟ وعن جسمه فيم أبلاه؟[1]

"یعنی قیامت کے دن انسان کے قدم اپنی جگہ سے ہٹ نہ سکیں گے یہاں تک کہ اس سے پانچ باتوں کے بارے میں سوال کر لیا جائے۔ عمر کن کاموں میں گوائی؟ جوانی کی توانائی کہاں صرف کی؟ مال کہاں سے کمایا؟ اور کہاں خرچ کیا؟ جو علم حاصل کیا اس پر کہاں تک عمل کیا؟

اس حدیث پاک میں چار سوال جوانی کے متعلق ہیں۔ ایک عمر کے بارے میں سوال کیا جائے گا اس میں جوانی کا دور بھی شامل ہے۔ مال کمانے کا تعلق بھی اسی عمر سے شروع ہوتا ہے۔ حصول علم کا تعلق بھی اسی عمر سے ہے۔ جوانی کی عمر صلاحیتوں کو پیدا کرنے اور اس میں نکھار پیدا کرنے کی ہوتی ہیں۔ اس عمر میں نوجوان علوم کے مختلف منازل طے کرتا ہے۔ یہی وہ عمر ہے جس میں نوجوان علمی تشنگی کو اچھی طرح سے بجھاتا سکتا ہے۔ اسی دور کے متعلق علامہ اقبالؒ نے 'شباب جس کا ہو بے داغ ضرب ہے کاری' فرمایا ہے۔ عمر کے اسی مرلے میں نوجوان صحابہ نے بڑے بڑے کارنامے انجام دیئے۔ یہی وہ عمر ہے جس میں حضرت اسامہ بن زیدؓ نے قیادت کی ذمہ داری سنبھالی۔ یہی وہ مرحلہ ہے جس میں حضرت خالد بن ولیدؓ نے بارگاہ نبوت سے سیف اللہ کا لقب حاصل کیا۔ دور شباب ہی میں حضرت علی، حضرت مصعب بن عمر، حضرت عمار بن یاسر اور چار عباداللہ جن میں ابن عمر، ابن عباس، ابن زبیر اور ابن عمرو بن العاص نے اللہ کے رسولؐ سے شانہ بشانہ عہد و پیمان باندھا۔ اسی عمر میں ابن تیمیہ، شاہ ولی اللہ اور امام غزالی جیسے مجدد علوم کی گہرائیوں میں اترے۔ اسی دور شباب میں صلاح الدین ایوبی، طارق بن زیاد اور محمد بن قاسم نے اسلامی تاریخ کو اپنے کارناموں سے منور کیا۔ اللہ کے رسول نے اسی عمر کو غنیمت سمجھنے کی تلقین کی ہے۔ کیونکہ بڑے بڑے معرکے اور کارنامے ہم سے اسی عمر میں انجام دیئے جاسکتے ہیں۔ اس عمر کے بارے میں آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

---

[1] ترمذی، کتاب صفۃ القیامۃ: حدیث نمبر: 2416

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِرَجُلٍ وَهُوَ يَعِظُهُ: اغْتَنِمْ خَمْسًا قَبْلَ خَمْسٍ: شَبَابَكَ قَبْلَ هِرَمِكَ، وَصِحَّتَكَ قَبْلَ سَقَمِكَ، وَغِنَاءَكَ قَبْلَ فَقْرِكَ، وَفَرَاغَكَ قَبْلَ شُغْلِكَ، وَحَيَاتَكَ قَبْلَ مَوْتِكَ[1]

"حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت جانو، جوانی کو بڑھاپے سے پہلے، صحت کو بیماری سے پہلے، مالداری کو محتاجی سے پہلے، فراغت کو مشغولیت سے پہلے، اور زندگی کو موت سے پہلے"

اب ہم سیرۃ الرسول ﷺ سے یہ درس حاصل کریں گے کہ نوجوانوں کا کردار کیسا ہونا چاہئے، اور ان پر مستقبل کے حوالے سے کیا ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔

نوجوانوں کی کردار سازی اور زمہ داریاں:

جب ہم کردار سازی ار ذمہ داریوں کی کا درس سیرت الرسول ﷺ سے حاصل کرتے ہیں تو یہی وہ چراغ اور سراج منیر ہے، جس سے نورِ ہدایت پھوٹتی ہیں اور جس سے نورِ ہدایت اور جس کی دمکتی ہوئی روشنی میں صراط مستقیم کو حاصل کیا جاسکتا ہے۔ یہی وہ بحر ذخار ہے جس سے زندگی کی خشک و بنجر زمین کو سیر اب کر کے قابل کاشت بنایا جاسکتا ہے۔ یہی مقام انسانیت کے خزاں رسیدہ چمن کے لئے غازہ بہار ہے اور مایوس انسانیت کے لئے آس امید کی کرن ہے اور فقط نبوت ہی ہے جس کے خورشید منور کی ضیاپاش کرنوں سے بزم انسانیت کی تاریکیوں اور ظلمتوں کا دور ختم ہو کر صبح سعادت کا آغاز ہوتا ہے۔ علامہ اقبالؒ نے کہا تھا:

؎ در فشانی نے تری قطروں کو دریا کر دیا

دل کو روشن کر دیا آنکھوں کو بینا کر دیا

جو نہ تھے خود راہ پر غیروں کے

رہبر بن گئے کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا

[1] المستدرک الحاکم، ج 3، حدیث نمبر: 7527

نبوت کا یہ چراغ اپنی تمام تر روشنیوں کے ساتھ حیاتِ انسانی کے ہر شعبے میں اور ہر شعبے کی ہر جہت اور ہر ہر پہلو میں مینارۂ نور بن کر اسوۂ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل وصورت میں انسانوں کی صحیح رہنمائی کیلئے اپنے تمام تر برکات کے ساتھ موجود ہے۔ نوجوان جو چاہے اور جب چاہے اس سے اپنی ہدایت ورہنمائی کا سامان فراہم کر سکتا ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ[1]

کہہ کر اللہ رب العزت نے کامیابی وکامرانی کے متلاشی ساری دنیا کے نوجوانوں کو خبر دے دی کہ تمہارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی منبع البرکات ذات بہترین نمونہ ہے اس لئے ہدایت کے خواستگار کو چاہئے کہ ہر معاملہ، ہر ایک حرکت وسکون، نشست وبرخاست، سیادت وقیادت، امارت وحکومت، اخلاق وکردار، معاشرت، معیشت وتجارت، صبر وقناعت، زہد وعبادت، مروت وشجاعت بلکہ ہر ہر عمل کے اندر کامیابی وکامرانی کے لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طور طریق کو بطور نمونہ اپنے پیش نظر رکھیں۔

کائنات کی تاریخ میں صحابہ کرامؓ کی مقدس جماعت نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے طور طریق بطور اسوہ اپنا کر ہر میدان میں فتح مندی کا وہ پرچم لہرایا کہ دنیا جس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے، اسی لئے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز حیات کے مقابلے میں دنیا کی کوئی تہذیب وتمدن، کوئی ثقافت ومعاشرت ان کی آنکھوں کو خیرہ اور دلوں کو فریفتہ نہ کر سکی۔ تقدیر ملت کے نوجوانوں کی روشنی اُس وقت تک ماند نہیں پڑ سکتی جب تک اس ملت کے ہاتھوں میں "اسوۂ حسنہ" کی مشعل اپنے پورے استحکام کے ساتھ باقی رہے گی۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم م نے نوجوانوں کی کردار سازی اور تبلیغ کی امانت کی ادائیگی کیلئے تیار کرنے بہت سے حالات ومناسبات میں قیمتی فرموداد ارشاد فرمائے جیسا کہ صلی اللہ علیہ وسلم لم نے نوجوانوں کے دلوں میں اللہ کا خوف پیدا کرنے کے لئے فرمایا:

عن عقبة بن عامر أن النبی -صلی اللہ علیہ وسلم- قال "يَعْجَب رَبُّك من الشاب ليست له صَبوة"[2]

"اللہ تعالی اس نوجوان کو پسند فرماتا ہے جس میں کم عمری کی نادانی نہ ہو"۔

---

[1] الاحزاب:21

[2] مسند احمد: ج4؛ حدیث نمبر: 151

اور نوجوانوں کو اللہ تعالی کی عبادت و اطاعت کو لازم پکڑنے، حوادثات اور خوف کے وقت اپنے آپ کو اللہ تعالی کے حوالے کرنے کی اہمیت جیتلانے کے لیے فرمایا:

عن أبي هريرة رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال:

" سبعة يظلهم الله في ظله يوم لا ظل إلا ظله،(وعدمنهم) وشاب نشأ في عبادة الله[1]

"اللہ تعالی سات قسم کے لوگوں کو قیامت کے دن اپنے سائے میں جگہ دے گا ان میں سے ایک وہ نوجوان ہے جس میں اللہ تعالی کی عبادت میں پرورش پائی ہو"۔

اور سول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نوجوانوں کے نفوس کو نشہ و انحراف سے بچنے اور شادی کر کے عزت نفس کو بچانے کے لئے رسول ﷺ فرماتے ہیں:

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُودٍ : قَالَ لَنَا رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ، مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ، فَإِنَّهُ أَغَضُّ لِلْبَصَرِ، وَأَحْصَنُ لِلْفَرْجِ[2]

" اے نوجوانوں کی جماعت اگر تم میں سے کسی کو شادی کی قدرت ہو تو اسے ضرور شادی کر لینی چاہیے، کیونکہ یہ آنکھیں نیچے رکھنے اور بدکاری سے بچنے کا ذریعہ ہے۔"

نوجوانوں کو اسوہ نبوی سے کیا ضابطے اور حیاتِ انسانی کے کیا کیا اصول ملتے ہیں، وہ کون سی ذمہ داریاں ہیں جو نبی کریم ﷺ کی حیات طیبہ کی روشنی میں ملت کے ریڑھ کی ہڈی کہے جانے والے افراد، یعنی نوجوانوں پر یہ پابندی عائد ہوتی ہے جس پر چل کر چین وسکون کا غلبہ ہو اور پورا مسلم معاشرہ بلکہ پوری دنیا امن وامان کا گہوارہ بن جائے۔

نوجوان طبقہ اگر صالح کردار ادا کرنے والا ہو تو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی تعریف کرتے ہیں۔ لیکن اگر یہی طبقہ شر وفساد کا رسیا ہو جائے تو پورے معاشرے پر اللہ کا غضب نازل ہو جاتا ہے۔ اس کی مثال قوم لوط پر نازل ہونے والے عذاب الٰہی سے لی جاسکتی ہے۔ اگر کتب سیرت کا گہرائی کے ساتھ مطالعہ کیا جائے تو نوجوانوں کے دونوں کردار پیش کئے گئے ہیں۔ اگر یہ جوان ایمان، عمل صالح اور صبر واستقامت

---

[1] صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، حدیث نمبر:2370

[2] صحیح بخاری، کتاب النکاح، حدیث نمبر:5065

کے جوہر لیے میدان جہاد کی طرف بڑھنے والے بن جائیں تو آج بھی بڑی بڑی طاقتوں کی کمر توڑ سکتے ہیں اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے سب سے مستحسن کردار انہیں کا ہوتا ہے۔ لیکن اگر یہ طبقہ عریانی و فحاشی اور بے راہ روی کا شکار ہو جائے تو معاشرہ جہنم زار بن جاتا ہے۔

عصرِ جدید میں جب نوجوانوں سے پوچھا جاتا ہے کہ زندگی کا مقصد کیا ہے۔ مقصدِ زندگی کے تعلق سے تعلیم یافتہ نوجوانوں میں Eat, Drink and be Happy' یعنی خوب عیش کرلے کیونکہ عالم دوبارہ نہیں ہے' جیسے فرسودہ اور پُر فریب نعروں پر نہ صرف یقین کرتے ہیں، بلکہ ان پر عمل پیرا بھی ہوتے ہیں۔ اسلام کا مقصد زندگی کے حوالے سے واضح موقف ہے۔ زندگی کی غرض و غایت کے متعلق قرآن و حدیث میں جگہ جگہ تذکرہ ملتا ہے۔ قرآن میں ایک جگہ انسان کو یہ ہدایت دی گئی: ا

اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ط[1]

" میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔

تو دوسری جگہ:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ[2]

میں نے جن اور انسانوں کو اس کے سوا کسی کام کے لیے پیدا نہیں کیا ہے کہ وہ میری بندگی کریں۔

یہ کہہ کر اللہ تعالیٰ نے واشگاف الفاظ میں زندگی کا مقصد و مدعا بیان کیا ہے۔ ایک جگہ اگر حُسنِ عمل کو مقصد زندگی قرار دیا ہے:

الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا[3]

جس نے موت اور زندگی کو ایجاد کیا تا کہ تم لوگوں کو آزما کر دیکھے تم میں سے کون بہتر عمل کرنے والا ہے۔

تو دوسری جگہ مقصد اور کامیاب زندگی کو تزکیۂ نفس پر موقوف ٹھیرایا گیا ہے :

---

[1] البقرہ:30

[2] الزاریات:54

[3] الملک:2

قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ تَزَکّٰی[1]

فلاح پا گیا وہ جس نے پاکیزگی اختیار کی۔

زندگی کی غرض غایت کے متعلق احادیث سے بھی خوب رہنمائی ملتی ہے۔ اللہ کے رسولؐ کا ارشاد ہے کہ:

عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِنِ الْخُدْرِيِّ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : اِنَّ الدُّنْيَا حُلْوَةٌ خَضِرَةٌ وَاِنَّ اللهَ تَعَالٰى مُسْتَخْلِفُكُمْ فِيْهَا فَيَنْظُرُ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ.[2]

حضرت سَیِّدُنا ابو سعید خُدری رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے کہ رسولُ اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: ” دنیا میٹھی اور سرسبز ہے اور اللہ عَزَّوَجَلَّ تمہیں (پچھلی قوموں کا) خلیفہ بنانے والا ہے اور وہ دیکھتا ہے تم کیسے اعمال کرتے ہو “

اللہ کے رسولؐ نے یہ بھی فرمایا:

عن أبي يعلى شدَّاد بن أوس - رضی الله عنه - عن النَّبيّ - صَلّى اللهُ عَلَيْهِ وسَلَّم - قَالَ: الكَيِّسُ مَن دَانَ نَفسَه، وعَمِل لِمَا بعد الموت[3]

” عقل مند وہ ہے جس نے اپنے نفس کا محاسبہ کیا اور موت کے بعد والی زندگی کے لیے عمل کیا“۔

اس وقت امت کے نوجوانوں میں سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ وہ الٰہی تعلیمات سے نابلد اور دوری اختیار کیے ہوئے ہیں۔ نوجوان طبقہ عموماً قرآن مجید کو ایک رسمی اور مذہبی کتاب سمجھتا ہے۔ اس کتاب کے متعلق ان کا تصور یہ ہے کہ اس کے ساتھ اگر تعلق قائم بھی کر لیا جائے تو زیادہ سے زیادہ تلاوت ہی تک محدود رہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ کتاب زمانہ حال کے چیلنجوں کا مقابلہ کرنے کی اہلیت اور صلاحیت نہیں رکھتی ہے ۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن مجید کتاب انقلاب ہے۔ یہ عصر حاضر کے چیلنجوں کا نہ صرف مقابلہ کرنے کی اہلیت رکھتی ہے بلکہ تمام مسائل کا حل بھی فراہم کرتی ہے۔ قرآن جہاں انسان کو آفاق کی سیر کراتا ہے وہیں یہ ہمیں انفس کی ماہیئت و حقیقت سے بھی روشناس کراتا ہے۔ جہاں

---

[1] الاعلیٰ:14

[2] ترمذی، کتاب صفة القيامة، حدیث نمبر:2467

[3] صحیح مسلم، کتاب الدقاق، حدیث نمبر:2742

عبادت کے بارے میں رہنمائی کرتا ہے وہیں سیاسی معاملات کے لیے بھی رہنما اصول بیان کرتا ہے۔ جہاں اخلاقی تعلیمات کے بارے میں ہدایات دیتا ہے وہیں یہ اقتصادی نظام کے لیے بھی ٹھوس بنیادیں فراہم کرتا ہے۔ یہ جہاں حلال و حرام کے درمیان تمیز سکھاتا ہے وہیں یہ حق و باطل کے درمیان فرق کرنے کی صلاحیت بھی پیدا کرتا ہے۔ نوجوان اس کتاب انقلاب کے بغیر حقیقی کامیابی حاصل نہیں کر سکتے۔ لہٰذا اسی کتاب کو کامیابی اور نجات کا واحد ذریعہ سمجھنا چاہیے۔[1]

وہ اصلاحی تعلیمات جو رسول اللہ نے نوجوانوں کو صحیح مسلمان بنانے انسانی شخصیت اور اجتماعی ذہن بنانے کے لیے اس نہج پر نوجوانوں کی تربیت کا مقصد یہ تھا کہ مسلم نوجوان روحانی، اخلاقی، عقلی، جسمانی، نفسیاتی اور تمام شخصی کمالات سے مزین ہو سکیں۔ ان تمام اوصاف کو وہ پوری طرح اپنے اندر سموئیں تو نوجوان دین اسلام کی امانت اٹھانے میں زیادہ پر عزم اور مسئولیت کی ادائیگی میں طاقتور اور مبادئ اسلام کا التزام کرنے میں زیادہ قوی ہوں گے۔ اس طرح بغیر کسی کمزوری و عاجزی کے اس دور کے مختلف فتنوں کا مقابلہ کرنے میں کسی قسم کے یاس و قنوط ان کے قدم ڈگمگا نہ سکیں گے۔ اس طرح نوجوان ثابت قدم، پختہ ایمان، مجاہد اور اسلام کے پیغام کی ادائیگی میں استقامت کا مظاہرہ کرتے ہوئے عزت کی زندگی یا شہادت کی موت کے لیے تیار رہیں گے۔ نوجوان نسل ہر زمانے میں اور ہر جگہ تاریخ کے ہر دور میں امت اسلامیہ کا ستون رہا ہے اور اسلام کی عزت و ترقی کا منبع دین کی علمبرداری اور اس کے لشکر کی کمان بھی نوجوانوں کے ہاتھ میں ہی رہی ہے۔[2]

وہ مومن گروہ جو ابتدائے اسلام میں دار ارقم میں تھا، وہ کون لوگ تھے؟ وہ نوجوان ہی تھے۔ ان کی آنکھیں شرم سے جھکی ہوئی، ان کے پاؤں باطل سے دور، کثرت عبادت کے پتلے، با اخلاق، صبر کرنے والے اور ان کا کام تبلیغ و جہاد تھا۔

اے نوجوان آپ کا مشن یہ ہونا چاہیے کہ جہاد مبارک کی طرف بڑھیں یہاں تک کہ اسلام کے جھنڈے کو تمام جھنڈوں سے بلند کر کے دم لیں اور اسلامی مملکت و سلطنت کو تمام بڑی سلطنتوں سے عزت و سیادت میں اعلیٰ وارفع کر کے سعادت مند ہوں۔

اے نوجوان حالیہ صدی آپ کی صدی ہے۔ آج کل کے دور کی بڑی ذمہ داری آپ کی مسعولیت کی ادائیگی ہے۔ اس ترقی یافتہ دور میں خاص طور پر بلاد اسلامیہ اور عمومی طور پر ان تمام انسانیت کو سرکش مادیت کے گھپ اندھیروں اور مادر پدر آزادی اور الحاد و گمراہی سے بچا کر حق و عرفان کی روشنی، توحید و ایمان کے نور، سچائی اور اسلام کے چمکتے دھمکتے سورج کی طرف لے کے جانا ہے۔

---

[1] بلغاری، محمد شریف، مولانا، عصر حاضر میں نوجوانوں کی ذمہ داریاں، ص 61

[2] ایضاً: 86

یہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک اخلاق و سچائی اور پختہ عزم کے ساتھ دعی الی اللہ کے ہمراہی بن کر نہ چلیں۔ پھر ساتھ ہی آہستہ آہستہ دین حنیف کے اصل حقیقت سے لوگوں کو روشناس نہ کرالیں اور دین اسلام کے اصل خصائص بسے انہیں بہرہ مند نہ کریں، یہاں تک کہ امت اسلامیہ اسلام پر پختہ و ثابت قدم ہو جائے اور اسلامی شریعت اس میں راسخ ہو جائے۔

اس ترقی یافتہ دنیا کی جانب ملت اسلام کو نئے سرے سے لے جائیں۔ تب چہار دانگ عالم میں امن و آسودگی کا دور دورہ ہو گا۔ پھر دوبارہ نور ایمانی، پیغام اسلام اور حقیقت توحید کی نعمت سے انسانیت بہرہ مند ہو گی، ایسا کر کے دکھانا اللہ کے لیے کوئی مشکل ہے۔

حرف آخر:

جب نوجوان اپنے کردار و اعمال اور زندگی کے ہر لمحے میں اسوہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنائیں گے، اور کردار و اعمال کی اصلاح کریں گے تو پھر یہی نوجوان ہونگے جنہوں نے ترقی اور بلندیوں کے تمام راستے مسخر کیے ہوں گے اور ان نوجوانوں میں سے ہوں گے جنہوں نے اسلام کے علاوہ کسی اور دین سے زرہ بھی عقیدت نہ رکھی ہو اور ان جوانوں میں سے ہی ہونگے جنہوں نے عبادت اور جہاد دونوں کو اپنے اوپر لازم کیا ہو گا۔ تزکیہ نفس کے ساتھ دعوت الیٰ اللہ بھی جاری رکھی ہوں گی، اور ان نوجوانوں میں سے ہوں گے جنہوں نے عزت و کرامت کے زیور سے خود کو مزین کیا ہو، ذلت اور رسوائی کو ناپسند کرتے ہوں اور ان نوجوانوں میں سے جن کے ہاتھوں اسلام کو بلندی اور شرف حاصل ہو اور سلطنت اسلامیہ کے سنگھار دان تیار ہو تب مومن اللہ کی مدد سے خوش ہوں گے۔ اللہ کریم جس کی چاہے مدد کرتا ہے وہی غالب اور مہربان ہے۔

آیت نمبر 1:

قادیانی قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیت سے باطل استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ نبوت میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم نہیں ہوئی ہے بلکہ جاری ہے اور قیامت تک نئے نبی آسکتے ہیں۔

آیئے پہلے آیت اور اس کا ترجمہ دیکھتے ہیں اور پھر قادیانیوں کے باطل استدلال کا علمی رد کرتے ہیں۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ ۙ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۔ [2]

ترجمہ:

"اے آدم علیہ السلام کے بیٹے اور بیٹیو! اگر تمہارے پاس تم میں سے ہی کچھ پیغمبر آیئں جو تمہیں میری آیات پڑھ کر سنائیں، تو جو لوگ تقوی اختیار کرلیں گے اور اپنی اصلاح کرلیں گے، ان پر نہ کوئی خوف طاری ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔"

قادیانیوں کا باطل استدلال:

قادیانی اس آیت سے باطل استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس آیت میں تمام بنی آدم کو مضارع کے صیغے کے ساتھ خطاب کیا گیا ہے۔

اس لئے اس آیت کا مفہوم یہ بنتا ہے کہ قیامت تک بنی آدم میں سے رسول آتے رہیں گے۔

---

[1] مفتی سعد کامران: ایم فل سکالر۔ فاضل علوم اسلامیہ۔ مصنف کتب کثیرہ

[2] سورۃ الاعراف آیت نمبر 35

قادیانیوں کے باطل استدلال کا جواب:

قادیانیوں کے اس باطل استدلال کے بہت سے جوابات ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں:

جواب نمبر 1:

قرآن مجید کے اسلوب سے یہ بات ثابت ہے کہ پورے قرآن میں جہاں بھی امت محمدیہ علیہ السلام کو اللہ تعالٰی نے خطاب کیا ہے تو وہاں 2 طریقوں سے خطاب کیا ہے۔

1۔ امت محمدیہ علیہ السلام کو اجابت کے لئے "یاایھاالذین آمنو" کے الفاظ سے خطاب کیا گیا ہے۔

2۔ امت محمدیہ علیہ السلام کو دعوت کے لئے "یاایھاالناس" کے الفاظ سے خطاب کیا گیا ہے۔

پورے قرآن میں امت محمدیہ علیہ السلام کو "یبنی آدم" کے الفاظ سے خطاب نہیں کیا گیا۔

پس ثابت ہوا کہ اس آیت میں امت محمدیہ علیہ السلام کو خطاب نہیں کیا گیا۔ بلکہ امت محمدیہ سے پہلے تمام اولاد آدم کو جو خطاب کیا گیا تھا اس آیت میں اس کا ذکر ہے۔

ایک ضروری وضاحت:

یبنی آدم کے الفاظ سے جہاں بھی اولاد آدم علیہ السلام کو خطاب کیا گیا ہے وہاں اگر کوئی احکام نازل کئے جانے کا ذکر ہو تو اگر وہ احکام امت محمدیہ علیہ السلام میں منسوخ نہ کئے گئے ہوں یا کوئی ایسا حکم ہو جو شریعت محمدیہ علیہ السلام کو اس حکم کے پورا کرنے سے مانع نہ ہو تو امت محمدیہ علیہ السلام بھی اس حکم میں شامل ہوتی ہے۔

جبکہ اس آیت میں جس بات کو ذکر کیا گیا ہے وہ سابقہ امتوں کے لئے اس لئے ہے کیونکہ قرآن و سنت کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی قرار دیا گیا ہے۔ اور آخری نبی کے آنے کے بعد نبوت جاری نہیں رہتی۔

قادیانی "یٰبَنِیۡۤ اٰدَمَ" کے لفظ پر اعتراض کرتے ہوئے ایک اور آیت بھی پیش کرتے ہیں "یٰبَنِیۡۤ اٰدَمَ خُذُوۡا زِیۡنَتَکُمۡ عِنۡدَ کُلِّ مَسۡجِدٍ" کہ اس آیت میں "یبنی آدم" کے لفظ سے خطاب کیا گیا ہے اور اس میں مسجد کا ذکر ہے اور مسجدیں امت محمدیہ علیہ السلام کے ساتھ خاص ہیں۔

حالانکہ قادیانی علمی یتیموں کو یہ پتا نہیں کہ مسجد کا ذکر پہلی امتوں کے لئے بھی قرآن میں کیا گیا ہے۔

جیسا کہ اس آیت میں ذکر ہے:

"قَالَ الَّذِيْنَ غَلَبُوْا عَلٰٓي اَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا"[1]

انہوں نے کہا کہ: ہم توان کے اوپر ایک مسجد ضرور بنائیں گے۔

جواب نمبر2:

اولاد بنی آدم میں ہندو، سکھ، عیسائی اور یہودی تمام شامل ہیں۔ کیا ہندوں، سکھوں، عیسائیوں اور یہودیوں میں سے بھی رسول آسکتا ہے؟؟؟

اگر ان میں سے رسول نہیں آسکتا تو ان کو اس آیت کے عموم سے کس دلیل کے ساتھ قادیانی خارج کرتے ہیں؟؟؟

اس کے علاوہ اولاد بنی آدم میں عورتیں اور ہیجڑے بھی شامل ہیں۔

کیا عورتوں اور ہیجڑوں میں سے بھی رسول آسکتا ہے؟؟؟؟؟

اگر قادیانی اس کے جواب میں کہیں کہ عورتیں پہلے نبی نہیں بنی تو اب بھی نہیں بن سکتیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جس طرح کوئی عورت نبی نہیں بنی اسی طرح پہلے کسی نبی کی اطاعت کرنے سے کوئی مرد بھی نبی نہیں بنا۔

اگر نبوت جاری ہے اور اطاعت سے کوئی انسان نبی بن سکتا ہے تو اطاعت سے عورت بھی نبی بن سکتی ہے۔

پس ثابت ہوا کہ اس آیت کی رو سے جس طرح عورت نبی نہیں بن سکتی اسی طرح کوئی مرد بھی نبی نہیں بن سکتا۔

جواب نمبر3:

اگر اس آیت "يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ" سے رسولوں کے آنے کا وعدہ ہے تو اس آیت "اما یاتینکم منی ھدی" سے صاحب شریعت رسولوں کے آنے کا وعدہ بھی ہے۔ کیونکہ اس آیت میں وہی یاتینکم ہے جو "يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ" والی آیت میں ہے۔

---

[1] سورۃ الکھف آیت نمبر 21

لیکن قادیانی صاحب شریعت رسولوں کے آنے کے منکر ہیں پس جس طرح آیت "یٰبَنِیۡۤ اٰدَمَ اِمَّا یَاۡتِیَنَّکُمۡ رُسُلٌ مِّنۡکُمۡ " سے آپ قادیانی صاحب شریعت رسولوں کے آنے کے منکر ہیں اسی طرح اس آیت سے غیر تشریعی رسول بھی نہیں آسکتے۔

جواب نمبر4:

اس آیت "یٰبَنِیۡۤ اٰدَمَ اِمَّا یَاۡتِیَنَّکُمۡ رُسُلٌ مِّنۡکُمۡ " میں لفظ "اما" ہے۔ اور "اما " حرف شرط ہے۔ جس کا تحقق ضروری نہیں جس طرح مضارع کے لئے استمرار ضروری نہیں۔

جیسا کہ اس آیت سے وضاحت ہوتی ہے۔

"ۚفَاِمَّا تَرَیِنَّ مِنَ الۡبَشَرِ اَحَدًا" [1]

ترجمہ:

اگر لوگوں میں سے کسی کو آتا دیکھو۔

اس آیت کا اگر قادیانی اصول کے مطابق ترجمہ کریں تو یوں بنے گا کہ مریم علیہ السلام قیامت تک آدمی کو دیکھتی رہیں گی۔

حالانکہ یہ ترجمہ قادیانی نہیں مانتے۔

پس جس طرح اس آیت کی رو سے مریم علیہ السلام قیامت تک کسی آدمی کو نہیں دیکھ سکتیں۔

اسی طرح اس آیت "یٰبَنِیۡۤ اٰدَمَ اِمَّا یَاۡتِیَنَّکُمۡ رُسُلٌ مِّنۡکُمۡ " سے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد قیامت تک کوئی نیا نبی نہیں آسکتا۔

جواب نمبر5:

اس آیت کا شان نزول قادیانیوں کے تسلیم کردہ مجدد امام سیوطی رحمہ اللہ نے یوں بیان کیا ہے۔

"ابی یسار سلمی سے روایت ہے کہ اللہ رب العزت نے سیدنا آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد کو (اپنی قدرت و رحمت کی) مٹھی میں لیا اور فرمایا "یٰبَنِیۡۤ اٰدَمَ اِمَّا یَاۡتِیَنَّکُمۡ رُسُلٌ مِّنۡکُمۡ ۔۔۔" پھر رسولوں پر نظر رحمت ڈالی تو فرمایا یاایہا الرسل ۔۔۔۔

---

[1] سورہ مریم 26:19

پس ثابت ہوا کہ قادیانیوں کے تسلیم کردہ مجدد کے نزدیک یہ آیت عالم ارواح کے واقعہ کی حکایت ہے۔

اس لئے اس آیت سے نبوت کا جاری رہنا کسی صورت بھی ثابت نہیں ہوتا۔

جواب نمبر 6:

جس رکوع میں یہ آیت ذکر ہے اس میں اس آیت سے پہلے 3 دفعہ آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد کو یبنی آدم کے الفاظ سے اللہ تعالیٰ نے خطاب کیا ہے۔ اس لئے اگر سیاق وسباق کو بھی دیکھا جائے تو بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت میں اولین اولاد آدم علیہ السلام کے خطاب کو اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے۔

جواب نمبر 7:

بالفرض محال اگر تسلیم کر بھی لیا جائے کہ اس آیت کی رو سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد انسانوں میں سے رسول آسکتے ہیں تو مرزا قادیانی پھر بھی رسول ثابت نہیں ہوتا۔

کیونکہ مرزا قادیانی نے لکھا ہے کہ میں تو انسان ہی نہیں۔

؎ کرم خاکی ہوں پیارے نہ آدم زاد ہوں

ہوں بشر کی جائے نفرت اور انسانوں کی عار [1]

خلاصہ کلام:

تمام گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ اس آیت سے بلکہ قرآن مجید کی کسی آیت سے بھی نبوت کا جاری ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ بلکہ اس آیت میں اولین اولاد آدم علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ کے خطاب کو بیان کیا گیا ہے۔

---

[1] روحانی خزائن جلد 21 صفحہ 127

دوسری آیت:

قادیانی قرآن مجید کی درج ذیل آیت سے باطل استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی نبوت جاری ہے اور قیامت تک نئے نبی اور رسول آسکتے ہیں۔

آیئے پہلے آیت اور اس کا ترجمہ دیکھتے ہیں۔ پھر قادیانیوں کے باطل استدلال کا علمی رد کرتے ہیں۔

"وَمَنۡ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوۡلَ فَاُولٰٓـئِكَ مَعَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمَ اللّٰهُ عَلَيۡهِمۡ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيۡقِيۡنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيۡنَ‌ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓـئِكَ رَفِيۡقًا" [1]

ترجمہ:

اور جو لوگ اللہ اور رسول کی اطاعت کریں گے تو وہ ان کے ساتھ ہوں گے۔ جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے، یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین۔ اور وہ کتنے اچھے ساتھی ہیں۔

قادیانیوں کا باطل استدلال:

قادیانی اس آیت سے باطل استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرنے سے کوئی بھی انسان نبی، صدیق، شہید اور صالح بن سکتا ہے۔ یعنی یہ 4 درجے ایسے ہیں جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرنے سے مل سکتے ہیں۔

قادیانیوں کے اس آیت سے کئے گئے باطل استدلال کے بہت سے جوابات ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں:

جواب نمبر 1:

کوئی بھی ذی شعور اور صاحب عقل آدمی اس آیت کا صرف ترجمہ پڑھ لے تو اسے خود پتہ چل جائے گا کہ اس آیت سے نبوت کے جاری ہونے کا قطعا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔

---

[1] سورۃ النساء آیت نمبر 69

بلکہ یہ آیت اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرنے والوں کو یہ خوشخبری سنا رہی ہے کہ آپ قیامت کے بعد نبیوں، صدیقوں، شہدا اور صالحین کے ساتھ ہوں گے۔ جیسا کہ اس آیت کے آخری الفاظ سے واضح ہوتا ہے کہ وہ یعنی نبی، صدیقین، شھدا اور صالحین بہترین ساتھی ہیں۔

پس ثابت ہوا کہ یہ آیت قیامت کی معیت کے بارے میں ہے۔

جواب نمبر2:

اس آیت کا شان نزول قادیانیوں کے تسلیم کردہ 10 صدی کے مجدد امام جلال الدین سیوطی رح یوں لکھتے ہیں۔ پڑھئے اور سر دھنئے۔

"بعض صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ جنت کے بلند وبالا مقامات پر ہوں گے اور ہم جنت کے نچلے درجات میں ہوں گے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کیسے ہوگی ؟؟؟

تو یہ آیت نازل ہوئی۔

مَنۡ یُّطِعِ اللّٰہَ وَ الرَّسُوۡلَ [1] ---

یہاں رفاقت سے مراد جنت کی رفاقت ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام اگرچہ جنت کے بالاخانوں میں ہوں گے لیکن پھر بھی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور دوسرے نیک لوگ انبیاء کرام علیہم السلام کی زیارت سے فیض یاب ہوں گے۔

اس کے علاوہ مرزا قادیانی سے پہلے تقریباً تمام تفاسیر میں اس آیت کا یہی شان نزول لکھا ہے۔

لیجئے میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان کردہ تفسیر نے بھی بتادیا کہ اس آیت میں معیت سے مراد جنت کی رفاقت ہے۔

جواب نمبر3:

اماں عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: "میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ ہر نبی کو مرض وفات میں اختیار دیا جاتا ہے کہ وہ دنیا میں رہنا چاہتا ہے یا عالم آخرت میں۔

---

[1] تفسیر جلالین صفحہ 80

جس مرض میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی اس مرض میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے۔

"مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ" [1]

یعنی ان نبیوں کے ساتھ جن پر تو نے انعام فرمایا:

اماں جان رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس سے میں سمجھ گئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا اور آخرت میں سے ایک کا اختیار دیا جارہا ہے۔

اس روایت سے بھی ثابت ہو گیا کہ معیت سے مراد جنت کی رفاقت ہے۔

جواب نمبر 4:

دو روایات اور ملاحظہ فرمائیں جن میں بھی معیت کا ذکر ہے لیکن اس معیت سے مراد جنت کی رفاقت ہے۔

حدیث نمبر 1:

" قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من قرء الف آیتہ فی سبیل اللہ کتب یوم القیامۃ مع النبیین والصدیقین والشھداء والصلحین " [2]

میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جو شخص ایک ہزار آیات روزانہ اللہ کی رضا کے لئے تلاوت کرے وہ قیامت کے دن نبیوں، صدیقوں، شہدا اور صالحین کے ساتھ بہترین رفاقت میں ہو گا۔

حدیث نمبر 2:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم التاجر الصدوق الامین مع النبیین والصدیقین والشھداء۔ [3]

میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سچا امانت دار تاجر نبیوں، صدیقوں اور شہداء کے ساتھ ہو گا۔

---

[1] مشکوۃ شریف جلد 2 صفحہ 547

[2] مسند احمد جلد 1 صفحہ 363

[3] مسند احمد جلد 2 صفحہ 209

اب قادیانی یہ بتائیں کہ کیا کوئی سچا تاجر یا 1000 آیات روزانہ پڑھنے والا نبی بن سکتا ہے؟؟؟؟

یقینا قادیانی یہی کہیں گے کہ سچا تاجر اور 1000 آیات روزانہ پڑھنے والا قیامت کے دن نبیوں، صدیقوں، شہداء اور صالحین کے ساتھ ہو گا۔

جس طرح سچا تاجر اور 1000 آیات روزانہ پڑھنے والا نبی نہیں بن سکتا بلکہ قیامت کے دن نبیوں، صدیقوں، شہداء اور صالحین کے ساتھ ہو گا۔

اسی طرح اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرنے والا بھی نبی یا رسول نہیں بن سکتا بلکہ قیامت کے دن وہ نبیوں، صدیقوں، شہداء اور صالحین کے ساتھ ہو گا۔

جواب نمبر 5:

مندرجہ بالا آیت میں قیامت کے دن معیت کا ذکر ہے۔ جن آیات میں دنیا میں درجات ملنے کا ذکر ہے ان میں سے کسی ایک آیت میں بھی نبوت ملنے کا ذکر نہیں ہے۔

مثلا سورۃ العنکبوت میں اللہ فرماتے ہیں:

"وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِي الصّٰلِحِيْنَ" [1]

وہ لوگ جو ایمان لائے اور اچھے اعمال کئے وہ نیک لوگوں میں داخل ہوں گے۔

اس کے علاوہ ایک اور جگہ پر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

"وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ" [2]

جو لوگ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے ہیں وہ اللہ کے نزدیک صدیق اور شہید ہیں۔

ان آیات میں جو لوگ مخاطب ہیں اور ان کو جو درجات ملنے کا ذکر ہے ان میں نبوت ملنے کا دور دور تک بھی ذکر نہیں ہے۔ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے زیادہ کامل ایمان والا امت میں کون ہو سکتا ہے؟؟؟

---

[1] سورۃ العنکبوت آیت نمبر 9

[2] سورۃ الحدید آیت نمبر 19

اگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جیسے کامل ایمان والے لوگوں کو نبوت نہیں مل سکتی تو پھر امت میں کسی کو کیسے نبوت مل سکتی ہے جبکہ اللہ نے نبوت کا دروازہ بھی بند کر دیا ہوا ہے۔

خلاصہ:

پس ثابت ہوا کہ قادیانیوں کا مندرجہ بالا آیت پر استدلال باطل ہے کیونکہ اس آیت میں قیامت کے بعد نیک لوگوں کو جو معیت ملے گی اس کا ذکر ہے۔ کہ نیک لوگ انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کے ساتھ ہوں گے۔
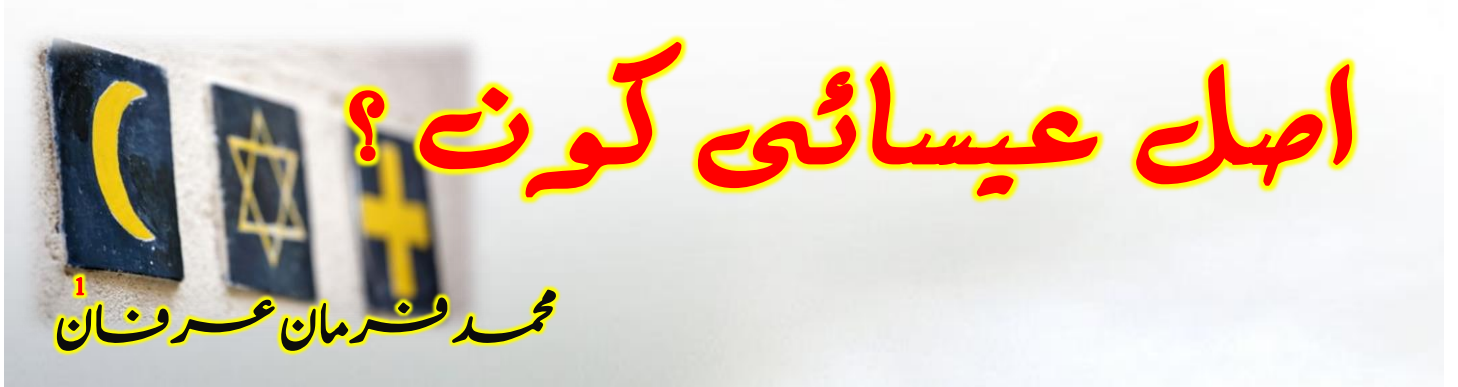
حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے واقعہ صلیب کے تقریباً پینتیس سال بعد رومیوں نے یروشلم پر حملہ کر دیا اور پورے شہر کو تباہ برباد کر کے رکھ دیا، عورتوں اور مردوں، بچوں اور بوڑھوں کو بے دریغ قتل کیا گیا[2]۔ حتیٰ کہ مؤرخین لکھتے ہیں کہ یروشم کا قصبہ گلیل میں واقع جھیل لاشوں سے بھر گئی اور سرخ ہو گئی،، اس بڑے پیمانے پر قتل وغارت گردی ہوئی کہ اس زمانے کی تاریخ ہی عنقاء ہو گئی کیونکہ لوگوں کو تو اپنی جان بچانے کے لالے پڑے ہوئے تھے اور ایسے حالات میں تاریخ کو لکھنے کی حماقت کون عقل مند کرتا ہے؟

،، عیسیٰ علیہ السلام سے متعلقہ افراد اور وہ لوگ جنہوں نے اپنی مبارک آنکھوں سے اللہ کے اس برگزیدہ اور جلیل القدر پیغمبر کی زیارت کی، وہ بھی اس فساد کی نذر ہو گئے،، اس زمانے کی تاریخ تو ہو گئی ختم،، جو کچھ بچے کچھے لوگ تھے انہوں نے اپنی طرف سے باتیں گھڑ کر عیسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب کرنا شروع کر دیئے اور رفتہ رفتہ بھانت بھانت کے واقعات اور دیومالائی داستانیں عیسیٰ علیہ السلام سے منسوب ہو گئیں۔ مروجہ اناجیل اربعہ بھی انہی من گھڑت روایات کی پیداوار ہے کیونکہ ان میں جن واقعات وعقائد کا انتساب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جانب ہے بعینہ وہی واقعات قدیم بت پرستوں کے دیوتاؤں کے ساتھ بھی واقع ہوئے ہیں۔ مثلاً بعل دیوتا کو بھی خدا کا بیٹا کہا جاتا تھا، اسکو بھی مصلوب کیا گیا اور وہ تین دن بعد مردوں میں سے جی اٹھا، اسی طرح یہی کہانی ہندو دیوتا کرشنا سے بھی منسوب ہے۔ اگر ہم مقدس گوگل کی مدد لیں اور اس پر the sixteen saviour لکھ کر تلاش کریں تو آپ کو معلوم ہو گا کہ دنیا کی تاریخ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے قبل سولہ ایسی ہستیاں گزر چکی ہیں جن کے ساتھ وہی واقعات پیش آئے جو انجیل نویسوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نام سے پیش کئے ہیں۔ صرف یہی نہیں بلکہ مروجہ

---

[1] محمد فرمان عرفان: ایم اے، ایم ایڈ، ایم فل، فاضل تقابل ادیان

[2] بحوالہ بنی اسرائیل کی تاریخ، کیتھولک سلسلہ تفسیر

انجیل میں مرقوم پہاڑی وعظ (جو کہ مسیحی تعلیمات میں بنیادی حیثیت رکھتا ہے) ہزاروں سال قبل بدھ مت کی تعلیمات سے مسروقہ ہے، نیز یہی پہاڑی وعظ وادی قمران سے دریافت ہونے والے دوسو قبل مسیح کے صحف میں بھی موجود ہے، یعنی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیدائش سے قبل بھی یہ تعلیمات موجود تھیں جو بعد ازاں جھوٹ بول کر ان کے نام سے پیش کر دی گئیں۔ ان تمام حقائق کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس بات کو تسلیم کئے بغیر کوئی چارہ نہیں کہ مروجہ عیسائیت کا حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے دور کا بھی کوئی تعلق نہیں بلکہ یہ بت پرستی کا ایسا سلسلہ ہے جو الہام کے نام پر پیش کر کے لوگوں کو دھوکہ دیا جاتا ہے۔

اس بات کا کلیسیاء کو بھی اقرار ہے کہ ہمارے پاس یسوع المسیح کے بالکل درست الفاظ کا ریکارڈ ہی موجود نہیں ہے[1]۔ کیونکہ فتنوں اور فسادوں کی وجہ سے عیسیٰ علیہ السلام کے متعین بھی تتر بتر ہوگئے۔ جب کچھ امن وامان قائم ہوا تو عیسائی بھی مجتمع ہونا شروع ہوگئے۔ اس وقت عیسائیوں کے معاندین میں سرفہرست دو لوگ تھے ایک یہودی اور دوسرے رومی۔ یہودی طاقت تو ہیکل کی تباہی کے بعد ختم ہو چکی تھی مگر رومیوں کی طرف سے عیسائیوں کی ایذاں رسانی کا سلسلہ جاری تھا۔ ان سب حالات کے ساتھ ساتھ عیسائیوں میں بھی ٹوٹ پھوٹ کا سلسلہ جاری تھا۔ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد عیسائیوں میں بے شمار فرقے وجود میں آچکے تھے مگر بنیادی اعتبار سے ان کو دو حصوں میں تقسیم کی جاسکتا ہے۔

ایک عیسائی تو وہ تھے جو پکے تثلیثی مشرک تھے اور سینٹ پولس کی تعلیمات پر عمل پیرا تھے بعد میں اسی پولوسی مسیحیت کو رومی حکومت کے جھنڈے تلے سیاسی اغراض کی بناء پر پناہ مل گئی اور پھر انہوں نے اپنے مخالفین کا استحصال کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ دوسرا گروہ میں شامل عیسائی پکے موّحد تھے اور ان کے پاس عیسیٰ علیہ السلام کی کچھ نہ کچھ تعلیمات زبانی روایات کے ذریعے موجود تھیں۔ یہ لوگ پولوسی مسیحیوں سے ان کے مشرکانہ عقائد کی وجہ سے شدید اختلاف رکھتے تھے اور پولوسی مسیحی بھی ان توحیدی عیسائیوں کو ملعون سمجھتے تھے کیونکہ مقدس پولس نے خود اپنے خط میں لکھا ہے کہ "اگر ہم یا آسمان کا کوئی فرشتہ بھی اس انجیل کے سوا جو ہم نے تمہیں سنائی کوئی اور انجیل تمہیں سنائے تو وہ خدا کی طرف سے ملعون ہو۔[2] مقدس پولس کے ان دونوں گروہوں کے درمیان ہونے والی رسہ کشی واضح ہو جاتی ہے اور یہ بھی پتہ چل جاتا ہے کہ توحیدی عیسائی بھی اصل عیسائیت کی تبلیغ میں مصروف تھے اور ان کے پاس بھی انجیل تھی جس پر کان دھرنے والوں کو مقدس پولس نے لعنتی قرار دے دیا۔

---

[1] بحوالہ معتدبہ کلام مقدس، پاکستان بائبل سوسائٹی

[2] گلتیوں 1:8

یہی وہ توحیدی عیسائی تھے جو تثلیث کے بجائے خدائے واحد کو ایک مان کر اس کی عبادت کرتے تھے۔ نقائیہ کونسل کے بعد مسیحیوں نے ان کا استحصال کرنے میں کوئی کمی نہیں چھوڑی، ان کی کتب کو نذرآتش کیا، ان پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے گئے اور اس طرح سے یہ مؤحد عیسائی بلاد عرب میں پھیل گئے اور نبی آخر الزماں کا انتظار کرنے لگے جن کے آنے کی بشارت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اپنی لسان مبارک سے دے چکے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کے موقع پر اطراف عرب میں یہی توحیدی عیسائی ہی آباد تھے جو انجیل (عیسیٰ علیہ السلام کی وہ انجیل جو زبانی روایات کے ذریعے ان تک پہنچی) میں موجود نبی کریم صل اللہ علیہ وسلم کے اوصاف کو پہچان کر جوق درجوق اسلام میں داخل ہوگئے اور ہجرت حبشہ کے موقع پر یہی لوگ ناصرینِ مسلمین بنے کیونکہ یہ لوگ حق پہچان چکے تھے یہی وجہ ہے کہ جب مشرکین مکہ کا وفد ان لوگوں کو حبشہ سے دربدر کرانے کی سازش کر کے حبشہ پہنچا تو نجاشی بادشاہ نے مسلمانوں کو طلب کیا اور ان کے نبی آخر الزماں کے متعلق سوالات کئے جن کے جواب میں حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے ایسی پر اثر تقریر کی کہ بادشاہ کا دل نرم ہو گیا اور پھر جب بادشاہ کی فرمائش پر انہوں نے سورۃ مریم کی آیات جلیلہ کی تلاوت کرنا شروع کی تو نجاشی اس قدر رویا کہ اس کی داڑھی تر ہوگئی۔ نجاشی کے دربار میں اُس وقت عیسائیوں کے بڑے بڑے اساقف (بشپ) بھی موجود تھے وہ بھی حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی تقریر و تلاوت سن کے ایسا روئے ان کے پاس موجود صحائف مقدسہ تک ان آنسوؤں سے بھیگ گئے۔ پھر نجاشی نے کہا کہ یہ کلام اور وہ کلام جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام لے کر آئے دونوں ایک ہی شمعدان سے نکلے ہیں اور پھر اس مؤحد بادشاہ نے کفار مکہ کو اپنے دربار سے نکال دیا اور اسلام لے آیا۔[1]

یہی وہ عیسائی تھے جن کی تعریف میں رب العالمین نے بھی اپنا قرآن عظیم نازل فرمادیا:

لَتَجِدَنَّ أَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِينَ آمَنُوا الْيَهُودَ وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا ۖ وَلَتَجِدَنَّ أَقْرَبَهُم مَّوَدَّةً لِّلَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ قَالُوا إِنَّا نَصَارَىٰ ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيسِينَ وَرُهْبَانًا وَأَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ ﴿82﴾ وَإِذَا سَمِعُوا مَا أُنزِلَ إِلَى الرَّسُولِ تَرَىٰ أَعْيُنَهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوا مِنَ الْحَقِّ ۖ يَقُولُونَ رَبَّنَا آمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ ﴿83﴾ وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَمَا جَاءَنَا مِنَ الْحَقِّ وَنَطْمَعُ أَن يُدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصَّالِحِينَ ۔[2]

---

[1] بحوالہ الرحیق المختوم، مولانا صفی الرحمن مبارک پوری

[2] سورۃ المائدۃ: رقم الایۃ 82 تا 84

ترجمہ: توسب لوگوں سے زیادہ مسلمانوں کا دشمن یہودیوں اور مشرکوں کو پائے گا اور تو سب سے نزدیک محبت میں مسلمانوں سے ان لوگوں کو پائے گا جو کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں یہ اس لیے کہ ان میں علماء اور فقراء ہیں اور اس لیے کہ وہ تکبر نہیں کرتے۔ اور جب اس چیز کو سنتے ہیں جو رسول پر اتری تو ان کی آنکھوں کو دیکھے گا کہ آنسوؤں سے بہتی ہیں اس لیے کہ انہوں نے حق کو پہچان لیا کہتے ہیں اے رب ہمارے کہ ہم ایمان لائے تو ہمیں ماننے والوں کے ساتھ لکھ لے۔ اور ہمیں کیا ہے ہم اللہ پر ایمان نہ لائیں اور اس چیز پر جو ہمیں حق سے پہنچی ہے اور اس کی طمع رکھتے ہیں کہ ہمیں ہمارا رب نیکوں میں داخل کرے گا۔

دوسری طرف پولوسی مسیحی گروہ تھا جو اپنی ہٹ دھرمی، کفر اور عناد کی وجہ سے حق کا انکار کرتا رہا حالانکہ یہ لوگ بھی حق کو پہچانتے تھے اور نبی آخر الزماں کے منتظر تھے۔ قرآن کریم ان کے بارے میں فرماتا ہے۔

وَكَانُوا مِن قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا فَلَمَّا جَاءَهُم مَّا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ ۚ فَلَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْكَافِرِينَ۔[1]

اور اس سے پہلے وہ کفار پر فتح مانگا کرتے تھے، پھر جب ان کے پاس وہ آیا جسے انہوں نے پہچان لیا تو اس کا انکار کیا، سو کافروں پر اللہ کی لعنت ہے۔

یہی مسیحی اہل نجران بھی تھے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مناظرہ کرنے کے لئے مدینہ عالیہ آئے اور پھر انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے مناظرہ شروع کیا اور اللہ رب العزت سورۃ آل عمران اتارتا چلا گیا یہاں تک کہ یہ مسیحی دلائل میں عاجز آگئے مگر حق پھر بھی قبول نہیں کیا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی ہٹ دھڑمی اور کٹ حجتی دیکھتے ہوئے آیت مباہلہ بھی نازل فرمادی کہ اگر دلائل سے بات کو نہیں مانتے تو آجاؤ خدا کی عدالت سے ہی فیصلہ کرالو۔

فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِن بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَأَبْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَأَنفُسَنَا وَأَنفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَل لَّعْنَتَ اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ

ترجمہ: پیغمبر علم کے آجانے کے بعد جو لوگ تم سے کٹ حجتی کریں ان سے کہہ دیجئے کہ آؤ ہم لوگ اپنے اپنے فرزند، اپنی اپنی عورتوں اور اپنے نفسوں کو بلائیں اور پھر خدا کی بارگاہ میں دعا کریں اور جھوٹوں پر خدا کی لعنت قرار دیں۔

---

[1] سورۃ البقرۃ رقم الایۃ 89

مگر یہ پولوسی مسیحی اپنے کفر پر قائم رہے اور پیغمبر اسلام ﷺ سے مناظرہ کے بعد مباہلہ تک کے لئے تیار ہوگئے۔ صبح کو جب رسول اللہ ﷺ اپنی آل اولاد کے ساتھ میدان کی طرف نکلے اور یہ مسیحی اساقف بھی صف باندھ کر رسول اللہ ﷺ کے سامنے کھڑے ہوئے تو اساقف (بشپ) کے سردار نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ تم جانتے ہو کہ محمد ﷺ سچے اور برحق نبی ہیں اور جس قوم نے اپنے نبی سے مباہلہ کیا وہ ہلاک ہوئی ہے۔ ان مقربان الٰہی چہروں سے مباہلہ کرنے سے بچو۔ خدا کی قسم میں دیکھتا ہوں کہ اگر یہ دعا کریں گے تو خدائے تعالیٰ پہاڑوں کو بھی ان کے کہنے پر ہٹا دے گا۔ اب اگر تم میری بات نہیں مانتے اور مباہلہ کرتے ہو تو یاد رکھو روئے زمین پر پھر ایک بھی مسیحی زندہ نہیں بچے گا۔ اسقف اعظم کے ساتھیوں نے جب یہ سنا تو ان کی عقل بھی ٹھکانے آگئی اور وہ مباہلہ سے پیچھے ہٹ گئے اور ایک مخصوص مقدار جزیہ مقرر کرا کر واپس نجران روانہ ہوگئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر یہ لوگ مباہلہ کرتے تو اللہ تعالیٰ آسمان سے ان پر آگ برساتا اور پتھروں کی بارش ہوتی اور یہ سب ہلاک ہو جاتے ایک بھی نہ بچتا۔ اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ مسیحیان عالم رسول اللہ ﷺ کی بعثت کو حق جانتے تھے اور ان کو سچا نبی بھی مانتے تھے مگر ان کا تعصب اور مذہبی پیشوائیت انہیں قبول حق سے مانع تھی۔ بادشاہ روم ہرقل کا واقعہ اس پر شاہد ہے کہ اس ہرقل پر حق واضح ہو چکا تھا مگر اس کو اپنے دربار (اسٹیبلشمنٹ) سے خطرہ تھا کہ یہ بغاوت کر کے میرا تخت و تاج چھین لیں گے جبھی وہ اسلام قبول کرنے سے بعض رہا ورنہ جب ابوسفیان رضی اللہ عنہ کو اس نے اپنے دربار میں بلا کر ان سے مکالمہ کیا اور باوجود بدترین دشمنی کے ابوسفیان پیغمبر اسلام کے بارے میں کوئی غلط بات نہ کہہ سکے تو ہرقل نے بھی انہیں سچا نبی مان لیا کہ کہا کہ اگر یہ باتیں جو تم کہہ رہے ہو سچ ہیں تو عنقریب وہ اس جگہ کا مالک ہو جائے گا کہ جہاں میرے یہ دونوں پاؤں ہیں۔ مجھے معلوم تھا کہ وہ (پیغمبر) آنے والا ہے۔ مگر مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ وہ تمہارے اندر ہو گا۔ اگر میں جانتا کہ اس تک پہنچ سکوں گا تو اس سے ملنے کے لیے ہر تکلیف گوارا کرتا۔ اگر میں اس کے پاس ہوتا تو اس کے پاؤں دھوتا۔[1]

فتح مکہ کے بعد جب اسلام کی نشر و اشاعت جمیع بلاد عرب میں پھیل گئی تو اطراف عرب و شام میں رہنے والے توحیدی عیسائیوں نے اسلام کو قبول کر لیا اور اسلام میں ضم ہوگئے اور اب دنیا میں فقط تثلیثی مشرک مسیحی ہی باقی بچے ہیں۔ چند مسیحی گروہ ایسے ہیں جو آج بھی توحید پرستی کا دعویٰ کرتے ہیں مگر ان کا دعویٰ بذات خود کذب بیانی کے سوا کچھ نہیں بلکہ وہ بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے منسوب جھوٹی روایات پر مبنی

---

[1] صحیح بخاری، رقم الحدیث 7

کتب پر ہی یقین رکھتے ہوئے انہیں الہام کا درجہ دیتے ہیں اور ساتھ ہی عیسیٰ علیہ السلام کو مجسم خدا بھی مانتے تھے جبکہ قرآن کریم اس بات کی سختی سے تردید کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز سے پاک ہے اس کو کسی چیز کے تجسم کی ضرورت نہیں۔

غرض کہ آج کی دنیا توحیدی عیسائیوں کو وجود عنقاء ہو چکا ہے اور دنیا میں فقط مشرک مسیحی ہی باقی بچے ہیں جن کا سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات سے دور کا بھی کوئی تعلق نہیں بلکہ یہ سب انسانی تعلیمات ہی ہیں جنہیں الہام کے نام پر کونسلز کا انعقاد کر کر کے قبول کیا گیا۔ وادی قمران کے صحائف دنیا کے سامنے آنے سے تو یہ بات اور بھی زیادہ واضح ہو گئی ہے کہ موجودہ مسیحیت ایک غیر الہامی مذہب ہے۔ مجھے رہ رہ کر مشہور مسیحی محقق و قمرانی صحائف پر ریسرچ کرنے والے اسکالر جان الیگرو کو مقولہ یاد آرہا ہے جو انہوں نے اپنی کتاب "دی ڈیڈ سی اسکرول" میں لکھا ہے کہ اب وہ وقت آگیا ہے کہ مسیحیت کو انسانی ہاتھوں سے انقاء پذیر مذہب قرار دے کر ہمیشہ کے لئے خیر آباد کہہ دیا جائے۔[1]

---

[1]The dead sea scrolls By john allegro

ذیل میں کچھ مشہور و معروف مغربی اصطلاحات بالخصوص جنکو مختلف ازمز سے تعبیر کیا جاتا کی توضیح و تشریح پیش کی جارہی ہیں، جنہیں میں نے فلاسفہ و مفکرین مغرب اور خود ان اصطلاحات کے موجدین کی فکر و نظر اور مطلوبہ مفاہیم کی روشنی میں مرتب کرنے کی کوشش کی ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ ہم مغربی اصطلاحات تو بے دریغ استعمال کرتے ہیں لیکن ان کے حقیقی مفاہیم (وہ مفہوم جو اہل مغرب کی حقیقی مراد ہوں) سے آگاہ نہیں ہیں۔۔ اوپر سے یہ ظلم کہ ہمارے دیسی لبرل ان اصطلاحات کو عین اسلامی قرار دینے پر تلے ہوئے ہیں، یہ لوگ جان بوجھ کر اسلام پر مغربیت کا لبادہ اوڑھنے کے درپے ہیں،

ہم نے ان اصطلاحات کے تعارف کے ساتھ ساتھ کچھ ازمز کا تنقیدی نکتہ نظر(critical thinking)سے چیدہ چیدہ محاکمہ کرکے انکی قباحتوں کا ذکر بھی کیا ہے

مبادیات ایتھی ازم:

یونانی (Greek) زبان میں خدا کو " تھی اوس (Theos) " کہتے تھے۔ اس لفظ " تھی اوس " سے بے شمار انگریزی الفاظ بنے۔ جن کا تعلق فلسفہ خدا / الٰہیات سے ہے۔ مثلاً تھیولوجی (Theology)الٰہیات، خدا کی تعلیمات... تھیوسوفی (Theosophy) تصوف، معرفت الٰہی... تھیوکریسی (Theocracy) خدا کی حکومت... تھی آرکی (Thearchy)، خدا کی حکومت... تھیوسنٹرک Theocentric (خدا

[1]عبدالرحمٰن نواز: ریسرچ سکالر: ادارہ حقوق الناس، ایم فل

کو ہر چیز کا مرکز سمجھنے کا نظریہ... تھی آڈسی (Theodicy) (خدا کے عدل کو ثابت کرنا... تھیومیسی (Theomacy) دیوتاؤں کی لڑائی، خدا کی مرضی کی مخالفت... تھیومانیا (Theomania) مذہبی جنون... تھیوفینی (Theophany) خدا کی تجلی،

، تھیوپیتھی (Theopathy) مجذوبیت، تھیوگیمی (Theogamy) دیوتاؤں کی شادی، تھیو آگنی (Theogony) دیوتاؤں کا شجرہ نسب... وغیرہ وغیرہ بے شمار الفاظ میں Theo یا The کا سابقہ لگتا ہے۔ انہی میں سے ایک لفظ " تھی ازم (Theism) " ہے۔ جس کا مطلب ہے، "خدا کو ماننے کا نظریہ" اور ایک لفظ ہے "مونو تھی ازم (Monotheism) "یعنی صرف ایک خدا کو ماننے کا نظریہ، عقیدہ توحید۔ اور اسی ایک خدا کو ماننے والے کو "مونو تھی ایسٹ" (Mono theist) کہتے ہیں۔ اس کے مقابلے میں خدا کا مکمل انکار کرنے کو "ایتھی ازم " (Atheism) کہتے ہیں۔ یعنی الحاد، دہریت!۔۔ اور خدا کا انکار کرنے والے کو "ایتھی ایسٹ" (Atheist) کہتے ہیں۔

الحاد(Atheism):

It (Atheism) is the belief that there is no God or gods[1]

Atheism سے مراد کسی بھی صورت ایک قادر مطلق ہستی کا مطلقا انکار کرنا ہے چاہے وہ ایک واحد ہستی کی صورت میں مانا جائے یا متعدد دیوتاوں کی صورت میں۔ (یعنی ایسا شخص جو تصور خدا کا ہی منکر ہو) اس نقطہ نظر کے حامل لوگوں کو Atheist یعنی ملحد کہا جاتا ہے

الحاد مطلق(Gnosticism)(ادریت):

Gnosticism سے مراد معرفت یا علم رکھنا ہے ،یہ ملحدین خدا کے انکار کے معاملے میں شدت کا رویہ رکھتے ہیں ۔یہ لوگ روح، دیوتا، فرشتے، جنت و دوزخ اور مذہب سے متعلقہ روحانی امور اور مابعد الطبیعاتی (Meta-Physical) امور کو کسی بھی صورت تسلیم نہیں کرتے۔ انکا دعویٰ ہے کہ وہ اس بات کا اچھی طرح علم رکھتے ہیں کہ انسان اور کائنات کی تخلیق میں کسی خالق کا کمال نہیں بلکہ یہ خود بخود

---

[1] Julian Baggini,Atheism :a Very Short Introduction,(Oxford University Press,2003)P-3

وجود میں آئی ہے اور فطری قوانین (Law of nature) کے تحت چل رہی ہے [1] اس نقطہ نظر کے حامل لوگوں کو Gnosticism Atheist کہا جاتا ہے عام طور پر جب ملحدین یعنی اتھیسٹ کا ذکر ہوتا ہے تو ملحدین کا یہی طبقہ مراد ہوتا ہے [2]

اگناسٹک ازم:(لاادریت)Agnosticism:

عام طور پر اگناسٹک (Agnostic) اور اتھیسٹ کو ہم معنی سمجھا جاتا ہے۔ لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔ اگناسٹک اس شخص کو کہا جاتا ہے جو خدا کے وجود کے بارے میں یہ کہتا ہے کہ " میں نہیں جانتا کہ خدا وجود رکھتا ہے یا نہیں۔
اگناسٹک ملحد وہ لوگ ہوتے ہیں جو کائنات کی نشانیوں میں غور و فکر کرتے ہیں، تو ان کا دل اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ اس کائنات کا کوئی نہ کوئی خالق ہونا چاہیے، لیکن خالق کے ہونے کے دلائل پر ان کی عقل کام کرنا چھوڑ جاتی ہے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں "I don't know" مجھے نہیں علم کہ خدا ہے یا نہیں ہے۔ ان میں سے ایک گروہ کا نظریہ ہے کہ کائنات میں خدا نہیں لیکن ایک "طاقت (Power) "ضرور موجود ہے جو اس کائنات کو چلا رہی ہے۔ لیکن کیا وہ طاقت خدا ہے؟ اس کا ہمیں علم نہیں۔

ڈی ازم۔(Deism):

ڈی ایسٹ وہ لوگ ہوتے ہیں جو کائنات کی ترتیب، اس کی ذہین ترین بناوٹ اور مخلوقات میں غور و فکر کے بعد اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ ایسا ناممکن ہے کہ اس کائنات کا کوئی خالق نہ ہو۔ ڈی ازم کا فلسفہ یہ ہے کہ اس کائنات اور زمین کو خدا نے تخلیق کیا لیکن اب اس خدا کا اس دنیا سے کوئی تعلق باقی نہیں ہے۔ ہم اپنے روزمرہ کے کام انجام دینے میں آزاد ہیں اور اپنا لائف سٹائل ہم اپنی مرضی سے متعین کر سکتے ہیں۔ خدا کو اب اس دنیا سے کوئی غرض واسطہ نہ ہے۔ نہ اس نے کوئی پیغمبر بھیجا اور نہ ہی آخرت ہو گی۔ ڈیزم معجزات، انبیائے کرام، خارجی ہدایت اور وحی کا انکار کرتا ہے کیونکہ اس کے مطابق فطری قوانین اٹل ہیں، خدا انہیں کبھی نہیں بدلتا۔ وحی کی بجائے عقل انسانی کافی ذریعہ ہے کہ جس کی مدد سے انسان خدا کے ساتھ تعلق قائم کر سکتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں اس تحریک کا ہدف رسالت اور آخرت کا انکار تھا۔

---

[1] یعنی جیسے زمین کے اندر گریوٹیشن فورس (موجود ہے جسکی وجہ سے ہر چیز اوپر سے خود بخود نیچے آتی ہے

[2] حافظ محمد شارق، الحاد اور جدید ذہن کے سوالات، صفحہ ۸۶

ورلڈ یونین آف ڈیسٹ کی ویب سائیٹ پر ڈی ازم کی تعریف یوں کی گئی ہے:

" Deism is the belief that reason and observation of the natural world are sufficient to determine the existence of God, accompanied with the rejection of revelation and authority as a source of religious knowledge."[1]

"ڈیزم اس عقیدے کا نام ہے کہ وجود باری تعالیٰ اور علمِ دین کی تعین و تفہیم کیلئے عقل اور فطری دنیا کا مشاہدہ ہی کافی ہیں، وحی اور نمائندگان مذہب اس دینی علم کا ماخذ نہیں ہیں۔"

اس تحریک کو فروغ ڈیوڈ ہیوم اور مڈلٹن کے علاوہ مشہور ماہر معاشیات ایڈم سمتھ کی تحریروں سے بھی ملا۔ ان لوگوں نے بھی چرچ (عام طور پر اس سے مسیحیوں کا عبادت خانہ مراد ہوتا ہے یہاں مسیحیت کے مذہبی نظام پر بولا گیا ہے) پر اپنی تنقید جاری رکھی اور چرچ کا جبر و تشدد جاری رہا۔ تقریباً دو سو سال تک یہ تحریک بھی موجود رہی۔ کلیسا کے انتہا درجے کے جبر و تشدد کا نتیجہ یہ نکلا کہ اٹھارہویں صدی میں یورپ کے اہل علم میں بالعموم انکار خدا کی لہر چل نکلی جو انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے اوائل تک اپنے عروج پر پہنچ گئی۔

ڈی ازم میں خدا پر تو کوئی تنقید نہیں کی جاتی، ہاں مگر مذاہب عالم کی تعلیمات اور مذہبی نمائندوں پر خوب سب و شتم کیا جاتا ہے۔ ڈیسٹ مفکر تھامس پائن لکھتا ہے:

"As priestcraft was always the enemy of knowledge, because priestcraft supports itself by keeping people in delusion and ignorance, it was consistent with its policy to make the acquisition of knowledge a real sin."[2]

"جیسا کہ مذہبی پیشوائیت (پادریت / ملائیت) ہمیشہ سے علم دشمن رہی تھی کیونکہ نمائندگان مذہب لوگوں کو جہالت اور دھوکے میں رکھ کر خود کو مضبوط کرتے ہیں۔ حقیقی علم کی تحصیل (انکار وحی اور عقل پرستی) کو گناہ عظیم باور کروانے کے مقصد میں مذہبی پیشوائیت ہمیشہ سے جُتی ہوئی تھی۔"

---

[1]https://www.deism.com/deismdefined.htm

[2]The Complete Writings of Thomas Paine:Volume 2 :By Thomas Paine, Philip Sheldon Fone 1945:P 800

ڈی ازم موجودہ زمانے میں بھی موجود ہے، لیکن اب اس فلسفے کو ماننے والے بے حد کم ہیں۔ ماضی میں بہت بڑے بڑے مفکرین، فلسفی اور سائنسدان اسی نظریے سے وابستہ رہے ہیں۔ مثلاً John Lock, Thomas Paine, David Hume وغیرہ۔ آخر الذکر جان لاک کو ہی "لبرل ازم" کا بانی شمار کیا جاتا ہے۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ ڈی ازم کا فلسفہ ایتھی ازم کا پہلا قدم ہے۔

نیو اتھیزم(Neo Atheism):

الحاد کے لئے دور جدید میں ایک نئی اصطلاحNeo Atheism بھی رائج العام ہے۔ اپنے مقصود و منشا کے اعتبار سے یہ الحاد کی کوئی نئی شاخ نہیں ہے بلکہ اس سے مراد وہ تحریک ہے جو بیسویں صدی میں مذہب کی مخالفت میں بعض مغربی مصنفین نے شروع کی ان میں سے اکثر کا تعلق عیسائیت سے تھا لیکن بعد مین وہ الحاد کی طرف مائل ہو گئے انہوں نے جس چیز کو سب سے بڑھ کر فروغ دیا وہ تشکیک کا عمل تھا

سیکولرازم:(secularism) اجتماعی زندگی میں مذہب بیزاری:

سیکولرازم کی تعریف:

سیکولرازم، لاطینی (Latin) لفظ (Saeculum) (سیکولم) سے ماخوذ ہے۔ سیکولر کا لغوی معنٰی "نامقدس (Unholy) "ہے جو مقدس (Holy) کے مقابلے میں ہے۔ سیکولرازم، توہین (Blasphemy) اور بے حرمتی (Profanation) کے معانی پر مشتمل ہے۔ دی آکسفورڈ انگلش ڈکشنری میں لفظ سیکولر کا یہ معنیٰ لکھا ہے:

Members of the clergy :living in the world and not monastic seclusion,as distinguished from regular and religious[1]

ترجمہ: اہل کلیسیا کا رکن جو دنیا میں رہتا ہو یعنی (دنیاوی امور اور معاملات میں دلچسپی رکھتا ہو) اور صرف عیسائی خانقاہ ہی میں عزلت گزیں نہ ہو اور باقاعدہ مذہبی زندگی سے امتیاز رکھتا ہو۔

اسطرح قومی انگریزی اردو لغت میں مختلف معانی بیان کئے گئے ہیں ان میں سے کچھ خاص یہ ہیں:

---

[1] The oxford English dictionary,p848,vol xiv,prepared by:J.A.Simpson and E.S.C,Wlarendon press,oxford,1989

1-مذہبی یا مقدس حوالے سے خالی　　2-دنیادار　　3-وہ پادری جس پر کلیسائی قوانین کی پابندی واجب نہ ہو[1]

اصطلاحات علمی سے کنارہ کر کے اگر ہم سیکولرازم کی تعریف کرنا چاہیں تو یوں کہہ سکتے ہیں:

سیکولرازم ایک ایسا نظریہ ہے جس کے مطابق مذہب اور اسٹیٹ (ریاست) کو الگ الگ رکھا جانا چاہیئے۔

اس کی وضاحت کچھ یوں ہے کہ ریاستی یا انسان کے اجتماعی معاملات میں مذہب کو الگ رکھا جانا چاہیئے اور اجتماعی انسانی مسائل کا فیصلہ وحی، کسی مخصوص مذہب یا مطلقا مذہب کی تعلیمات کی بجائے، اکثریت، انسانی اجتماع یا General/Common Will کی روشنی میں کیا جانا چاہیئے۔

سیکولرازم کی اصطلاح کا موجد: سیکولرازم کا تصور مغرب میں صدیوں سے مختلف سمتوں مین اپنی ارتقائی منازل طے کر رہا تھا۔ لیکن اس مخصوص لفظ (Secularism) کے ساتھ سیکولرازم کی اصطلاح انیسوین صدی کے وسط میں اس وقت سامنے آئی جب جارج جیکب ہالی اوک George Jacob Holyoake نے انگلینڈ میں اسی نام سے ایک تحریک شروع کی۔ ہولی اوک ہی نے ۱۸۵۱ میں سیکولرازم کی اصطلاح وضع کی۔

انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس میں کچھ یوں مرقوم ہے:

In the Holyoake met bradlaugh,and in the subsequent year coined the term secularism

ترجمہ: ۱۸۵۰ میں ہولی اوک بریڈلا سے ملا اور اس کے بعد والے سال میں سیکولرازم کی اصطلاح وضع کی[2]

سیکولرازم کا مفہوم: آج کے دور جدید میں سیکولرازم کا اسلوب یہ ہے کہ انفرادی سطح ہر مذہب کو قبول کرنا اور اجتماعی (معاشی، سیاسی، اور ریاستی) سطح پر اسے رد کر دینا۔

انسائیکلوپیڈیا آف برٹینکا میں سیکولرازم کی مندرجہ ذیل تشریح ملتی ہے:

A movement in society directed away from other worldiness to life on earth[3]

ترجمہ: سماج میں اخرویت سے پھیر کر دنیویت پر توجہ دینے کی ایک تحریک۔

---

[1] قومی انگریزی اردو لغت، ص ۱۹۷۰، مقتدرہ قومی، زبان پاکستان

[2] فریاد، ڈاکٹر شاہد، سیکولرازم ایک تعارف، ص ۱۸، کتاب محل، دربار مارکیٹ لاہور

[3] The oxford English dictionary,p848,vol.14

گہرائی سے اگر کتب و لغات کو دیکھیں تو سیکولرازم کا مفہوم یہ ملتا ہے: یہ تحریک مذہب مخالف، لادینیت کی ترویج کرنے والی اور مذہبی عقائد واعمال کی تردید کرنے والی ہے۔ حالانکہ اگر دیکھا جائے تو ہولی اوک اس اصطلاح (سیکولرازم) کا موجد اس نے سیکولرازم اور مذہب کو آپس میں حریف نہیں قرار دیا۔ لیکن یہ تحریک آگے چل کر اپنی روش کو برقرار نہ رکھ سکی اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ تحریک مذہب بیزار بن گئی۔[1]

سیکولرازم کے فرقے:

1۔سوفٹ سیکولر Soft Secularisam

یہ وہ لوگ ہیں جو کلیتا مذہب کی نفی نہیں کرتے بلکہ مذہب کے متعلق نرم رویہ رکھتے ہیں

2۔ایکسٹریم سیکولرازم Extreme Secularisam:

یہ وہ لوگ ہیں جو مکمل طور پر مذہب بیزار اور مذہب کے دشمن ہیں انکے نزدیک سیکولرازم اور مذہب ایک دوسرے کے حریف ہیں

سیکولرازم نظام زندگی: سیکولرازم نے اپنے اثرات صرف مذہب تک ہی محدود نہ رکھے بلکہ مذہب سے قطع نظر اس کے اثرات دوسرے شعبہ جات زندگی میں بھی پھیلے مثلا معاشی، سیاسی، تعلیمی، اخلاقی اور معاشرتی نظام ہائے زندگی تک۔

معاشرتی زندگی:

معاشرتی زندگی میں مذہب کی بدولت جو عفت و عصمت کا پاس تھا، حیا کا دور دورہ تھا، اخلاقی اقدار زندہ تھیں، خاندانی نظام مضبوط بنیادوں پر استوار تھا۔ سیکولرازم نے بے حیائی کو مختلف زاویوں سے فروغ دیا بلکہ جیسے ہر نظام کا ایک پبلسٹی ڈیپارٹمنٹ ہوتا ہے سیکولرازم نے اس بے حیائی کو اپنا پبلسٹی ڈیپارٹمنٹ (publicity department) بنایا اور نوجوان نسل کو اس کے سیلاب میں تیزی سے غرق کیا، اسی طرح خاندانی نظام کو تار تار کیا وہ نظام جسکو مذہب میں اس قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا کہ ماں باپ کی خدمت جنت کا حصول قرار دی گئی مگر سیکولرازم نے انکے لئے

[1] فریاد، ڈاکٹر شاہد، سیکولرازم ایک تعارف، ص ۲۳، کتاب محل، دربار مارکیٹ لاہور

اولڈ ہوم (Old Home) متعارف کرائے۔ میاں بیوی کا رشتہ جس میں بیوی کے حقوق کی مکمل ادائیگی مرد کی ذمہ داری تھی سیکولرازم نے حقوق نسواں کے جھانسے میں عورت کو گھروں سے باہر نکال کر بازاروں کی زینت بنایا۔

سیاسی نظام:

سیکولرازم نے انسانی زندگی کے دیگر شعبہ جات کی طرح سیاسیات (ریاستی امور) میں سے بھی مذہب کو بے دخل کیا یعنی جدید سیاسی نظام میں مذہب کا کوئی حصہ نہیں جیسے شمس کنول نے اس ضمن میں لکھا ہے:

سیکولرازم ریاست اور سیاست سے مذہب کو فاصلے پر رکھنے کے حق میں ہے مگر سیکولر سماج میں ہر شہری کو اپنی نجی زندگی میں اپنے مذہبی ارکان ادا کرنے کی پوری آزادی حاصل ہوتی ہے [1] حالانکہ اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو سیاسی نظام جسکا تعلق ریاست سے ہوتا ہے اس کے قیام وارتقا میں تصور عدل کا غیر معمولی دخل ہوتا ہے اور انصاف ہی وہ محور ہے جس کے گرد سیاسی نظام کا پرزہ حرکت کرتا ہے جبکہ مذہب جو عدل وانصاف کا منبع ہے اگر اس نظام سے اسکو رخصت کر دیا جائے تو خرابیوں کا آنا ناگزیر ہے

معاشی نظام:

انسانی زندگی میں معاشیات کی اہمیت ناقابل انکار ہے۔اسی لئے سامی مذاہب میں اس کے حوالے سے قدرے تفصیلا احکامات ہیں حلال وحرام اور جائز وناجائز کا تصور موجود ہے جبکہ سیکولرازم نے اس وقت دنیا میں رائج سرمایہ دارانہ نظام کو ایسی سوچ اور فکر فراہم کی کہ حلال وحرام کی کوئی قید نہیں ہر اس طریقہ کو استعمال میں لایا جاسکتا ہے جس سے دولت اکٹھی کی جاسکے اسی لئے حلال وحرام کی تمیز سے عاری سودی نظام کو بھی سیکولرازم سپورٹ کرتا نظر آتا ہے۔

تعلیمی نظام:

سیکولرازم نے تعلیمی نظام کو بھی سیکولرائز کرنے کی پوری کوشش کی۔اور تعلیمی نظام جو کہ پہلے آسمانی ہدایات کے زیر اثر مرتب ہوتا تھا

---

[1] مذہب، مسلمان اور سیکولرازم، ص۲۹۹، مولف: ڈاکٹر اشفاق احمد، مضمون نگار شمس کنول

اس جدید تعلیمی نظام میں مذہب کیلئے کوئی جگہ نہ تھی بلکہ خود ساختہ سوشل سائنسز کا ایک جال بچھا کر لوگوں کی فکر کو تبدیل کیا گیا۔ جیسا کہ آکسفورڈ انگلش ڈکشنری میں لکھا ہے

Of education instruction,relating to non religious subjects[1]

یعنی سیکولرازم نے تعلیمی نظام کو غیر مذہبی مضامین پڑھانے کی ہدایت کی۔

خلاصتاً ہم کہہ سکتے ہیں کہ سیکولرازم کے بنیادی نکات یہ ہیں:

1۔ سیکولرازم کوئی الہامی نظریہ حیات نہیں بلکہ اس کا فلسفہ مغرب کے دین بیزار مفکرین کی ایجاد ہے۔

2۔ سیکولرازم صرف نظریہ ریاست نہیں بلکہ نتیجہ کے اعتبار سے ایک مکمل نظریہ حیات ہے۔

3۔ سیکولرازم کا تعلق انسان کے اجتماعی معاملات سے ہے۔

4۔ سیکولرازم انسانی معاملات کو طے کرنے میں خدائی یا پیغمبرانہ نورِ ہدایت یا سادہ لفظوں میں "وحی" سے انکار کرتا ہے۔

5۔ سیکولرازم خدا اور وحی کو انسانی اجتماعی مسائل سے غیر متعلق قرار دینے کے نظریہ کو بطور نظریہ حق تسلیم کرنے کا نام ہے۔

6۔ سیکولرازم وحی کو معطل کر کے انسان ساختہ اصولوں Man Made Laws/Human Rights کی بنیاد پر اجتماعی مسائل کا حل تلاش کرتا ہے۔

مذکورہ نکات میں سے کوئی ایک بھی نکتہ ایسا نہیں جسے رد کیا جاسکے۔ مغربی مفکرین کی کتب سیکولرازم کے اسی مفہوم کو بیان کرتی ہیں اور اسی مفہوم کی دعوت دیتی ہیں۔ پس ہم آسانی سے کہہ سکتے ہیں کہ سیکولرازم لادینیت ہے۔ بعض مغربی مفکرین یہ کہتے ہیں کہ سیکولرازم لادینیت نہیں ہے کیونکہ لادینیت خدا کے انکار کا نام ہے جب کہ سیکولرازم خدا کا انکار نہیں کرتا۔

یہ محض ایک مغالطہ ہے۔ ہمارا موقف یہ ہے کہ سیکولرازم لادینیت ہی ہے۔ درحقیقت لادینیت کی تعریف اہل مغرب کے ہاں مختلف ہے جبکہ ہم مسلمانوں کے نزدیک مختلف ہے۔ مغربی مفکرین کے نزدیک لادینیت صرف وجود باری تعالیٰ کے انکار کا نام ہے جبکہ ہم مسلمانوں کے نزدیک انکارِ وجود باری تعالیٰ کے ساتھ ساتھ انکارِ مذہب Deism بھی لادینیت ہے پس اسلامی نقطہ نظر کے مطابق سیکولرازم لادینیت / الحاد

[1] The oxford English dictionary,p848,vol.xiv

ہے۔ سیکولرازم کے لادینیت ہونے پر دوسری دلیل یہ بھی ہے کہ سیکولرازم خدا کو انسانی اجتماعی زندگی سے غیر متعلق قرار دینے کے نظریہ کو بطور نظریہ حق اپنانے یا نافذ کرنے کا نام ہے۔

(جاری ہے)

عیسیٰ علیہ السلام ابن مریم علیہا السلام
فی آیات الفرقان

کائنات منیب چوہدری [1]

حضرت عیسیٰؑ وہ ہستی ہیں جن کے بغیر کسی مسلمان کا ایمان مکمل نہیں ہوتا۔ آپؑ کو بنی اسرائیل کی طرف معبوث کیا گیا لیکن یہود نے آپ کا انکار کیا اور جھٹلا دیا۔ قرآن کریم میں آپ کا اسم مبارک ۲۵ بار وارد ہوا ہے اس کے علاوہ آپؑ کو' ۱۱ ' بار المسیح اور ۲۳ بار ابن مریمؑ کہہ کر بھی پکارا گیا ہے۔ جب کہ سورۃ آل عمران اور سورۃ مریم کے نام سے قرآن میں مکمل باب موجود ہیں جس کا شرف بائبل کو بھی حاصل نہیں ہے۔ اس مضمون میں ہم اختصار کے ساتھ صرف قرآنی آیات اور تراجم پیش کر رہے ہیں۔

آل عمران کا انتخاب:

اِنَّ اللّٰهَ اصۡطَفٰۤى اٰدَمَ وَنُوۡحًا وَّاٰلَ اِبۡرٰهِيۡمَ وَاٰلَ عِمۡرٰنَ عَلَى الۡعٰلَمِيۡنَ 33 ۙ ذُرِّيَّةًۢ بَعۡضُهَا مِنۡۢ بَعۡضٍ‌ؕ وَاللّٰهُ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ‌ 34 ۚ

اللہ نے آدم، نوح، ابراہیم کے خاندان، اور عمران کے خاندان کو چن کر تمام جہانوں پر فضیلت دی تھی۔ یہ سب آپس میں ایک دوسرے کی نسل سے ہیں اور اللہ تعالیٰ خوب سننے والا' جاننے والا ہے۔ سورۃ آل عمران آیت ۳۳۔۳۴

[1] کائنات منیب چوہدری: بی ایس فزکس

پیدائش حضرت مریمؑ:

اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّیْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ 35○ فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ وَضَعْتُهَاۤ اُنْثٰیؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْؕ وَلَیْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰی ۚ وَاِنِّیْ سَمَّیْتُهَا مَرْیَمَ وَاِنِّیْۤ اُعِیْذُهَا بِكَ وَذُرِّیَّتَهَا مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○

(چنانچہ اللہ کے دعا سننے کا وہ واقعہ یاد کرو) جب عمران کی بیوی نے کہا تھا کہ: یارب! میں نے نذر مانی ہے کہ میرے پیٹ میں جو بچہ ہے میں اسے ہر کام سے آزاد کر کے تیرے لیے وقف رکھوں گی۔ میری اس نذر کو قبول فرما۔ بیشک تو سننے والا ہے، ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔ پھر جب ان سے لڑکی پیدا ہوئی تو وہ (حسرت سے) کہنے لگیں: یارب یہ تو مجھ سے لڑکی پیدا ہو گئی ہے۔ حالانکہ اللہ کو خوب علم تھا کہ ان کے یہاں کیا پیدا ہوا ہے۔ اور لڑکا لڑکی جیسا نہیں ہوتا، میں نے اس کا نام مریم رکھ دیا ہے اور میں اسے اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے حفاظت کے لیے آپ کی پناہ میں دیتی ہوں۔ سورۃ آل عمران آیت ۳۵-۳۶

انتخاب حضرت مریمؑ:

وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓىِٕكَةُ یٰمَرْیَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰىكِ عَلٰی نِسَآءِ الْعٰلَمِیْنَ 42○ یٰمَرْیَمُ اقْنُتِیْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِیْ وَارْكَعِیْ مَعَ الرّٰكِعِیْنَ 43○

اور (اب اس وقت کا تذکرہ سنو) جب فرشتوں نے کہا تھا کہ: اے مریم! بیشک اللہ نے تمہیں چن لیا ہے، تمہیں پاکیزگی عطا کی ہے اور دنیا جہان کی ساری عورتوں میں تمہیں منتخب کر کے فضیلت بخشی ہے۔ اے مریم! تم اپنے رب کی عبادت میں لگی رہو، اور سجدہ کرو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع بھی کیا کرو۔ سورۃ آل عمران آیت ۴۳،۴۲

کفالت حضرت زکریاؑ:

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهِ اِلَیْكَؕ وَمَا كُنْتَ لَدَیْهِمْ اِذْ یُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَیُّهُمْ یَكْفُلُ مَرْیَمَ۪ وَمَا كُنْتَ لَدَیْهِمْ اِذْ یَخْتَصِمُوْنَ ○

(اے پیغمبر) یہ سب غیب کی خبریں ہیں جو ہم وحی کے ذریعے تمہیں دے رہے ہیں، تم اس وقت ان کے پاس نہیں تھے جب وہ یہ طے کرنے کے لیے اپنے قلم ڈال رہے تھے کہ ان میں سے کون مریم کی کفالت کرے گا، (۱۷) اور نہ اس وقت تم ان کے پاس تھے جب وہ (اس مسئلے میں) ایک دوسرے سے اختلاف کر رہے تھے۔ سورۃ آل عمران آیت ۴۴

فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَّاَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ۙ وَّ كَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ۚ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ ۙ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا ۭ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَاۗءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ○

چنانچہ اس کے رب نے اس (مریم) کو بطریق احسن قبول کیا اور اسے بہترین طریقے سے پروان چڑھایا۔ اور زکریا اس کے سرپرست بنے۔ جب بھی زکریا ان کے پاس ان کی عبادت گاہ میں جاتے، ان کے پاس کوئی رزق پاتے، انہوں نے پوچھا: مریم! تمہارے پاس یہ چیزیں کہاں سے آئیں؟ وہ بولیں: اللہ کے پاس سے۔ اللہ جس کو چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے۔ سورۃ آل عمران آیت ۳۷

حضرت مریمؑ لاوی قبیلہ سے تھیں:

يٰٓاُخْتَ هٰرُوْنَ .... 28ۧ

اے ہارون کی بہن!۔ سورۃ مریم آیت ۲۸

حضرت مریمؑ کا گوشہ عبادت:

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ ۘ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ○ فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا

اور اس کتاب میں مریم کا بھی تذکرہ کرو۔ اس وقت کا تذکرہ جب وہ اپنے گھر والوں سے علیحدہ ہو کر اس جگہ چلی گئیں جو مشرق کی طرف واقع تھا۔ پھر انہوں نے ان لوگوں کے اور اپنے درمیان ایک پردہ ڈال لیا۔ سورۃ مریم آیت ۱۶،۱۷

ولادت مسیحؑ کی بشارت:

هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ ۚ قَالَ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَاۗءِ 38○ فَنَادَتْهُ الْمَلٰۗىِٕكَةُ وَھُوَ قَاۗىِٕمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ ۙ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًۢا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ○

اس موقع پر زکریا نے اپنے رب سے دعا کی، کہنے لگے: یارب مجھے خاص اپنے پاس سے پاکیزہ اولاد عطا فرمادے۔ بیشک تو دعا کا سننے والا ہے۔ چنانچہ (ایک دن) جب زکریا عبادت گاہ میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے، فرشتوں نے انہیں آواز دی کہ: اللہ آپ کو یحیٰ کی (پیدائش) کی خوشخبری دیتا ہے جو اس شان سے پیدا ہوں گے کہ اللہ کی طرف سے ایک کلمے (حضرت عیسیٰؑ) کی تصدیق کریں گے، لوگوں کے پیشوا ہوں گے، اپنے آپ کو نفسانی خواہشات سے مکمل طور پر روکے ہوئے ہوں گے، اور نبی ہوں گے اور ان کا شمار راست بازوں میں ہو گا۔ سورۃ آل عمران آیت ۳۸۔۳۹

پیدائش مسیح اور پیدائش آدم میں مماثلت:

اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰہِ کَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ خَلَقَہٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ ○

بیشک عیسیٰ کی مثال اللہ کے نزدیک آدم (علیہ السلام) کی سی ہے اس کو مٹی سے بنایا پھر کہا ہو جا تو وہ ہو گیا۔ سورۃ آل عمران آیت ۵۹

مسیح صرف ایک بشر:

لَنْ یَّسْتَنْکِفَ الْمَسِیْحُ اَنْ یَّکُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰہِ وَلَا الْمَلٰٓئِکَۃُ الْمُقَرَّبُوْنَ ؕ وَمَنْ یَّسْتَنْکِفْ عَنْ عِبَادَتِہٖ وَیَسْتَکْبِرْ فَسَیَحْشُرُھُمْ اِلَیْہِ جَمِیْعًا ۱۷۲ ○

مسیح کبھی اس بات کو عار نہیں سمجھ سکتے کہ وہ اللہ کے بندے ہوں، اور نہ مقرب فرشتے (اس میں کوئی عار سمجھتے ہیں) اور جو شخص اپنے پروردگار کی بندگی میں عار سمجھے، اور تکبر کا مظاہرہ کرے تو (وہ اچھی طرح سمجھ لے کہ) اللہ ان سب کو اپنے پاس جمع کرے گا۔ سورۃ النسا آیت ۱۷۲

مَا الْمَسِیْحُ ابْنُ مَرْیَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِہِ الرُّسُلُ ؕ وَاُمُّہٗ صِدِّیْقَۃٌ ؕ کَانَا یَاْکُلٰنِ الطَّعَامَ ؕ اُنْظُرْ کَیْفَ نُبَیِّنُ لَھُمُ الْاٰیٰتِ ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰی یُؤْفَکُوْنَ ○

مسیح ابن مریم اور کچھ نہیں سوائے اس کے کہ وہ ایک رسول تھے ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے تھے اور ان کی والدہ صدّیقہ تھیں دونوں کھانا کھاتے تھے دیکھو' کس طرح ہم ان کے لیے اپنی آیات واضح کرتے ہیں' پھر دیکھو کہ وہ کہاں سے الٹا دیے جاتے ہیں۔ سورۃ المائدہ آیت ۷۵

پیغمبر کا نام:

اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ۖ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ 45○

یاد کرو جبکہ فرشتوں نے کہا اے مریم (علیہ السلام)! یقیناً اللہ تعالیٰ تمہیں بشارت دے رہا ہے اپنی طرف سے ایک کلمہ کی اس کا نام ہو گا المسیح ' عیسیٰ ' مریم کا بیٹا مرتبے والا ہو گا دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی اور اللہ کے بہت ہی مقربین بارگاہ میں سے ہو گا۔ سورۃ آل عمران آیت ۴۵

کلمتہ اللہ و روح من اللہ:

ۭاِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ ۚ اَلْقٰىهَآ اِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ ۡ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ

مسیح جو عیسیٰ بن مریم ہیں وہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور اللہ کا کلمہ ہیں جس کو اللہ نے مریم تک پہنچایا اور اللہ کی طرف سے ایک روح ہیں، سو اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ۔ سورۃ النسا آیت ۱۷۱

فرشتہ کی بشارت اور کنواری کی پریشانی:

فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا 17○قَالَتْ اِنِّيْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا 18○قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ ڰ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا 19○قَالَتْ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَكُ بَغِيًّا 20○قَالَ كَذٰلِكِ ۚ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ ۚ وَلِنَجْعَلَهٗٓ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا ۚ وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا ○

اس موقع پر ہم نے ان کے پاس اپنی روح (یعنی ایک فرشتے) کو بھیجا جو ان کے سامنے ایک مکمل انسان کی شکل میں ظاہر ہوا۔ مریم نے کہا: میں تم سے خدائے رحمن کی پناہ مانگتی ہوں۔ اگر تم میں خدا کا خوف ہے (تو یہاں سے ہٹ جاؤ)۔ فرشتے نے کہا: میں تو تمہارے رب کا بھیجا ہوا (فرشتہ) ہوں (اور اس لیے آیا ہوں) تاکہ تمہیں ایک پاکیزہ لڑکا دوں۔ مریم نے کہا: میرے لڑکا کیسے ہو جائے گا، جبکہ مجھے کسی بشر نے چھوا تک نہیں ہے، اور نہ میں کوئی بدکار عورت ہوں؟ فرشتے نے کہا: ایسے ہی ہو جائے گا۔ تمہارے رب نے فرمایا ہے کہ: یہ میرے لیے ایک معمولی بات ہے۔ اور ہم یہ کام اس لیے کریں گے تاکہ اس لڑکے کو لوگوں کے لیے (اپنی قدرت کی) ایک نشانی بنائیں۔ اور اپنی طرف سے رحمت کا مظاہرہ کریں اور یہ بات پوری طرح طے ہو چکی ہے۔

قَالَتْ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِىْ وَلَدٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِىْ بَشَرٌ‌ ؕ قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ‌ ؕ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ○

مریم نے کہا: پروردگار مجھ سے لڑکا کیسے پیدا ہو جائے گا جبکہ مجھے کسی بشر نے چھوا تک نہیں؟ اللہ نے فرمایا: اللہ اسی طرح جس کو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ جب وہ کوئی کام کرنے کا فیصلہ کر لیتا ہے تو صرف اتنا کہتا ہے کہ "ہو جا" بس وہ ہو جاتا ہے۔ سورۃ آل عمران آیت ۴۷

حمل مقدسہ مریمؑ:

فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا 22○ فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ‌ ۚ قَالَتْ يٰلَيْتَنِىْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا 23○ فَنَادٰٮهَا مِنْ تَحْتِهَاۤ اَلَّا تَحْزَنِىْ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا 24○ وَهُزِّىْۤ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا○

پھر ہوا یہ کہ مریم کو اس بچے کا حمل ٹھہر گیا (اور جب ولادت کا وقت قریب آیا) تو وہ اس کو لے کر لوگوں سے الگ ایک دور مقام پر چلی گئیں۔ پھر زچگی کے درد نے انہیں ایک کھجور کے درخت کے پاس پہنچا دیا۔ وہ کہنے لگیں: کاش کہ میں اس سے پہلے ہی مر گئی ہوتی، اور مر کر بھولی بسری ہو جاتی۔ پھر فرشتے نے ان کے نیچے ایک جگہ سے انہیں آواز دی کہ: غم نہ کرو، تمہارے رب نے تمہارے نیچے ایک چشمہ پیدا کر دیا ہے۔ اور کھجور کے تنے کو اپنی طرف ہلاؤ، اس میں سے پکی ہوئی تازہ کھجوریں تم پر جھڑیں گی۔ سورۃ المریم آیت ۲۴، ۲۳، ۲۲

وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗۤ اٰيَةً وَّاٰوَيْنٰهُمَاۤ اِلٰى رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّمَعِيْنٍ○

اور مریم کے بیٹے (عیسیٰ (علیہ السلام)) کو اور ان کی ماں کو ہم نے ایک نشانی بنایا، اور ان دونوں کو ایک ایسی بلندی پر پناہ دی جو ایک پر سکون جگہ تھی، اور جہاں صاف ستھرا پانی بہتا تھا۔ سورۃ المومنون آیت ۵۰

حضرت مریمؑ کی عصمت کی گواہی:

وَالَّتِىْۤ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهَا مِنْ رُّوْحِنَا وَجَعَلْنٰهَا وَابْنَهَاۤ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ○

اور اس خاتون کو دیکھو جس نے اپنی عصمت کی حفاظت کی تھی، پھر ہم نے اس کے اندر اپنی روح پھونکی، اور انہیں اور ان کے بیٹے کو دنیا جہان کے لوگوں کے لیے ایک نشانی بنا دیا۔ سورۃ الانبیاء آیت ۹۱

مسیح ابن مریم:

ذٰلِكَ عِيۡسَى ابۡنُ مَرۡيَمَ ۚ قَوۡلَ الۡحَـقِّ الَّذِىۡ فِيۡهِ يَمۡتَرُوۡنَ ۝

یہ ہیں عیسیٰ (علیہ السلام) ابن مریم! یہ ہے حق کی بات' جس کے بارے میں یہ لوگ شک کرتے ہیں۔ سورۃ مریم آیت ۳۴

چپ کا روزہ:

فَكُلِىۡ وَاشۡرَبِىۡ وَقَرِّىۡ عَيۡنًا ۚ فَاِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الۡبَشَرِ اَحَدًا ۙ فَقُوۡلِىۡۤ اِنِّىۡ نَذَرۡتُ لِلرَّحۡمٰنِ صَوۡمًا فَلَنۡ اُكَلِّمَ الۡيَوۡمَ اِنۡسِيًّا ۝

اب کھاؤ، اور پیو، اور آنکھیں ٹھنڈی رکھو۔ اور اگر لوگوں میں سے کسی کو آتا دیکھو تو (اشارے سے) کہہ دینا کہ: آج میں نے خدائے رحمن کے لیے ایک روزے کی منت مانی ہے، اس لیے میں کسی بھی انسان سے بات نہیں کروں گی۔ سورۃ مریم آیت ۲۶

یہود کا حضرت مریمؑ کی پاکدامنی پر بہتان:

وَّبِكُفۡرِهِمۡ وَقَوۡلِهِمۡ عَلٰى مَرۡيَمَ بُهۡتَانًا عَظِيۡمًا ۝

اور بسبب ان کے کفر کے اور ان باتوں کے جو انہوں نے مریم کے خلاف کیں ایک بہت بڑے بہتان کے طور پر۔ سورۃ النسا آیت ۱۵۶

فَاَتَتۡ بِهٖ قَوۡمَهَا تَحۡمِلُهٗ ؕ قَالُوۡا يٰمَرۡيَمُ لَقَدۡ جِئۡتِ شَيۡـئًـا فَرِيًّا 27۝ يٰۤاُخۡتَ هٰرُوۡنَ مَا كَانَ اَبُوۡكِ امۡرَاَ سَوۡءٍ وَّمَا كَانَتۡ اُمُّكِ بَغِيًّا ۝

پھر وہ اس بچے کو اٹھائے ہوئے اپنی قوم کے پاس آئیں وہ کہنے لگے کہ: مریم تم نے تو بڑا غضب ڈھا دیا۔ اے ہارون کی بہن نہ تو تمہارا باپ کوئی برا آدمی تھی، نہ تمہاری ماں کوئی بدکار عورت تھی۔ سورۃ مریم آیت ۲۷

گود میں کلام :

فَاَشَارَتۡ اِلَيۡهِ ؕ قَالُوۡا كَيۡفَ نُكَلِّمُ مَنۡ كَانَ فِى الۡمَهۡدِ صَبِيًّا 29۝ قَالَ اِنِّىۡ عَبۡدُ اللّٰهِ ؕ اٰتٰنِىَ الۡكِتٰبَ وَجَعَلَنِىۡ نَبِيًّا ۝

اس پر مریم نے اس بچے کی طرف اشارہ کیا۔ لوگوں نے کہا: بھلا ہم اس سے کیسے بات کریں جو ابھی پالنے میں پڑا ہوا بچہ ہے؟۔ اس (بچے) نے کہا: میں اللہ کا بندہ ہوں' اس نے مجھے کتاب عطا کی ہے اور مجھے نبی بنایا ہے۔ سورۃ مریم آیت ۲۹،۳۰

وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ○

اور وہ لوگوں سے گفتگو کرے گا گود میں بھی اور پوری عمر کا ہو کر بھی اور وہ ہمارے نیکوکار بندوں میں سے ہو گا۔ سورۃ آل عمران آیت ۴۶

نماز و زکوٰۃ کا حکم:

وَّجَعَلَنِيْ مُبٰرَكًا اَيْنَ مَا كُنْتُ وَاَوْصٰنِيْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ○

اور مجھے بابرکت بنایا ہے جہاں کہیں بھی میں ہوں گا' اور مجھے اس نے تاکید کی ہے نماز کی اور زکوٰۃ کی جب تک میں زندہ رہوں۔ سورۃ مریم آیت ۳۱

صرف ماں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم:

وَبَرًّا بِوَالِدَتِيْ وَلَمْ يَجْعَلْنِيْ جَبَّارًا شَقِيًّا ○

اور اپنی والدہ کے ساتھ اچھا سلوک کرنے والا (بنایا) اور مجھے سرکش، بدبخت نہیں بنایا۔ سورۃ مریم آیت ۳۲

سلام یا عیسیٰ:

وَالسَّلٰمُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَيَوْمَ اَمُوْتُ وَيَوْمَ اُبْعَثُ حَيًّا ○

اور سلام ہے مجھ پر جس دن میں جنا گیا اور جس دن میں مروں گا اور جس دن مجھے اٹھایا جائے گا زندہ کر کے۔ سورۃ مریم آیت ۳۳

نبوت مسیح:

وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ ۭ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ○

اور زکریا، یحیٰ، عیسیٰ اور الیاس کو (بھی ہدایت عطا فرمائی) یہ سب نیک لوگوں میں سے تھے۔ سورۃ الانعام آیت ۸۵

بنی اسرائیل کی طرف رسول:

وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ○

اور بنی اسرائیل کی طرف رسول ہو گا۔ سورۃ آل عمران آیت ۴۹

معجزات مسیح عیسیٰؑ ابن مریمؑ:

اَنِّیْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰیَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۙ اَنِّیْۤ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّیْنِ كَهَیْـَٔةِ الطَّیْرِ فَاَنْفُخُ فِیْهِ فَیَكُوْنُ طَیْرًۢا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْیِ الْمَوْتٰی بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ ۙ فِیْ بُیُوْتِكُمْ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۝

(جو لوگوں سے یہ کہے گا) کہ: میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک نشانی لے کر آیا ہوں، (اور وہ نشانی یہ ہے) کہ میں تمہارے سامنے گارے سے پرندے جیسی ایک شکل بناتا ہوں، پھر اس میں پھونک مارتا ہوں، تو وہ اللہ کے حکم سے پرندہ بن جاتا ہے، اور میں اللہ کے حکم سے مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو تندرست کر دیتا ہوں، اور مردوں کو زندہ کر دیتا ہوں، اور تم لوگ جو کچھ اپنے گھروں میں کھاتے یا ذخیرہ کر کے رکھتے ہو میں وہ سب بتا دیتا ہوں۔ اگر تم ایمان لانے والے ہو تو ان تمام باتوں میں تمہارے لیے (کافی) نشانی ہے۔ سورۃ آل عمران آیت ۴۹

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ؕ وَاٰتَیْنَا عِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ الْبَیِّنٰتِ وَاَیَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِیْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَیِّنٰتُ وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا ۫ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَفْعَلُ مَا یُرِیْدُ ۝

یہ تمام پیغمبر ہیں کہ برتری دی ہم نے ان میں ایک دوسرے پر! ان میں بعض ایسے ہیں کہ ان سے اللہ نے کلام کیا اور بلند کئے بعض کے درجے اور ہم نے دیئے مریم کے بیٹے (یعنی عیسیٰ) کو معجزے اور ہم نے قوت دی اس کو روح القدس سے !ف 1 اور اگر اللہ چاہتا تو باہم نہ لڑتے وہ لوگ جو انکے پیچھے ہوے اس کے بعد کہ آچکیں ان کے پاس نشانیاں لیکن انہوں نے اختلاف کیا تو ان میں سے کوئی تو ایمان لے آیا اور کسی نے کفر کیا اور اگر اللہ چاہتا تو وہ باہم نہ لڑتے لیکن اللہ کرتا ہے جو چاہتا ہے۔ سورہ البقرہ آیت ۲۵۳

علوم مسیح عیسیٰ ابن مریمؑ:

وَیُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِیْلَ ۝

اور وہی (اللہ) اس کو (یعنی عیسیٰ ابن مریم کو) کتاب و حکمت اور تورات و انجیل کی تعلیم دے گا۔ سورۃ آل عمران آیت ۴۸

اِنَّآ اَوۡحَيۡنَآ اِلَيۡكَ كَمَآ اَوۡحَيۡنَآ اِلٰى نُوۡحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنۡۢ بَعۡدِهٖ‌ۚ وَاَوۡحَيۡنَاۤ اِلٰٓى اِبۡرٰهِيۡمَ وَاِسۡمٰعِيۡلَ وَاِسۡحٰقَ وَيَعۡقُوۡبَ وَالۡاَسۡبَاطِ وَعِيۡسٰى وَاَيُّوۡبَ وَيُوۡنُسَ وَهٰرُوۡنَ وَسُلَيۡمٰنَ‌ۚ وَاٰتَيۡنَا دَاوٗدَ زَبُوۡرًا ۝

(اے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہم نے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی جانب بھی وحی کی ہے جیسے ہم نے نوح (علیہ السلام) اور ان کے بعد بہت سے انبیاء پر وحی کی تھی اور ہم نے ابراہیم (علیہ السلام)' اسماعیل (علیہ السلام)' اسحاق (علیہ السلام)' یعقوب (علیہ السلام) اور ان کی اولاد کی طرف بھی وحی کی اور عیسیٰ (علیہ السلام)' ایوب (علیہ السلام)' یونس (علیہ السلام)' ہارون (علیہ السلام) اور سلیمان (علیہ السلام) کی طرف (بھی وحی کی)۔ اور داؤد (علیہ السلام) کو تو ہم نے زبور (جیسی کتاب) عطا فرمائی۔ سورۃ النسا آیت ۱۶۳

وَلَمَّا جَآءَ عِيۡسٰى بِالۡبَيِّنٰتِ قَالَ قَدۡ جِئۡتُكُمۡ بِالۡحِكۡمَةِ وَلِاُبَيِّنَ لَـكُمۡ بَعۡضَ الَّذِىۡ تَخۡتَلِفُوۡنَ فِيۡهِ‌ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيۡعُوۡنِ ۝

اور جب آئے عیسیٰ (علیہ السلام) واضح نشانیاں لے کر تو انہوں نے کہا کہ میں تمہارے پاس حکمت لے کر آیا ہوں اور تاکہ میں واضح کر دوں تمہارے لیے بعض وہ چیزیں جن میں تم اختلاف کر رہے ہو' پس تم اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور میری اطاعت کرو۔ سورۃ الزخرف آیت ۶۳

تصدیق شریعت موسوی و موجودہ شریعت عیسوی:

وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيۡنَ يَدَىَّ مِنَ التَّوۡرٰٮةِ وَلِاُحِلَّ لَـكُمۡ بَعۡضَ الَّذِىۡ حُرِّمَ عَلَيۡكُمۡ‌ وَجِئۡتُكُمۡ بِاٰيَةٍ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيۡعُوۡنِ ۝

اور جو کتاب مجھ سے پہلے آچکی ہے، یعنی تورات، میں اس کی تصدیق کرنے والا ہوں، اور (اس لیے بھیجا گیا ہوں) تاکہ کچھ چیزیں جو تم پر حرام کی گئی تھیں، اب تمہارے لیے حلال کر دوں۔ اور میں تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں، لہٰذا اللہ سے ڈرو اور میرا کہنا مانو۔ سورۃ آل عمران آیت ۵۰

وَقَفَّيۡنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمۡ بِعِيۡسَى ابۡنِ مَرۡيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيۡنَ يَدَيۡهِ مِنَ التَّوۡرٰٮةِ‌ وَاٰتَيۡنٰهُ الۡاِنۡجِيۡلَ فِيۡهِ هُدًى وَّنُوۡرٌ ۙ وَّمُصَدِّقًا لِّمَا بَيۡنَ يَدَيۡهِ مِنَ التَّوۡرٰٮةِ وَهُدًى وَّمَوۡعِظَةً لِّلۡمُتَّقِيۡنَ ۝

اور ہم نے ان (پیغمبروں) کے بعد عیسیٰ ابن مریم کو اپنے سے پہلی کتاب یعنی تورات کی تصدیق کرنے والا بنا کر بھیجا، اور ہم نے ان کو انجیل عطا کی جس میں ہدایت تھی اور نور تھا، اور جو اپنے سے پہلی کتاب یعنی تورات کی تصدیق کرنے والی اور متقیوں کے لیے سراپا ہدایت و نصیحت بن کر آئی تھی۔ سورۃ المائدہ آیت ۴۶

دعوت توحید:

اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۭ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ 51○

بیشک اللہ ہی میرا رب اور تمہارا رب ہے، پس اس کی عبادت کرو، یہ سیدھا راستہ ہے۔ سورۃ آل عمران آیت ۵۱

عقیدہ تثلیث اور ابنیت کا رد:

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ .... اَلْقٰىهَآ اِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ ۡ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ڗ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ۭ اِنْتَھُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ۭ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۭ سُبْحٰنَهٗٓ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ ۘ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ○ع

اے اہل کتاب اپنے دین میں حد سے نہ بڑھو، اور اللہ کے بارے میں حق کے سوا کوئی بات نہ کہو۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔اور یہ مت کہو کہ (خدا) تین ہیں۔ اس بات سے باز آجاؤ، کہ اسی میں تمہاری بہتری ہے، اللہ تو ایک ہی معبود ہے وہ اس بات سے بالکل پاک ہے کہ اس کا کوئی بیٹا ہو۔ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اسی کا ہے، اور سب کی دیکھ بھال کے لیے اللہ کافی ہے۔ سورۃ النسا آیت ۱۷۱

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُۨ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ ۚ يُضَاهِــــُٔـوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ۭ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ 30○ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰـهًا وَّاحِدًا ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ 31○ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِــــُٔـوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ○

اور یہود نے کہا (عقیدہ گھڑ لیا) کہ عزیر (علیہ السلام) اللہ کا بیٹا ہے اور نصاریٰ نے کہا (عقیدہ گھڑ لیا) کہ مسیح (علیہ السلام) اللہ کا بیٹا ہے یہ ان کے منہ کی باتیں ہیں۔ یہ نقل کر رہے ہیں ان لوگوں کی باتوں کی جنہوں نے کفر کیا تھا ان سے پہلے اللہ انہیں ہلاک کرے' یہ کہاں سے بہکائے گئے

ہیں!۔ انہوں نے اللہ کی بجائے اپنے احبار (یعنی یہودی علماء) اور راہبوں (یعنی عیسائی درویشوں) کو خدا بنالیا ہے۔ اور مسیح ابن مریم کو بھی، حالانکہ ان کو ایک خدا کے سوا کسی کی عبادت کرنے کا حکم نہیں دیا گیا تھا۔ اس کے سوا کوئی خدا نہیں۔ وہ ان کی مشرکانہ باتوں سے بالکل پاک ہے۔ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کے نور کو اپنے منہ کی پھونکوں سے بجھادیں، حالانکہ اللہ کو اپنے نور کی تکمیل کے سوا ہر بات نامنظور ہے، چاہے کافروں کو یہ بات کتنی بری لگے۔ سورۃ التوبہ۔ آیت ۳۲،۳۱،۳۰

مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ يَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ ۙ سُبْحٰنَهٗ ۭ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝

اللہ کیلئے کبھی یہ بات نہیں ہوسکتی کہ وہ کسی کو اپنا بیٹا بنائے اس کے لیے پاکیزگی ہو، اس کی شان تو یہ ہے کہ جب کوئی کام کرنے کا فیصلہ کرلیتا ہے تو بس حکم کرتا ہے کہ ہو جا! وہ ہو جاتا ہے۔ سورۃ مریم آیت ۳۵

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا 88 ۝ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْـــًٔا اِدًّا 89 ۝ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا 90 ۝ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا 91 ۝ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا 92 ۝ اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ۝

اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ خدائے رحمن کی کوئی اولاد ہے۔ (ایسی بات کہنے والو!) حقیقت یہ ہے کہ تم نے بڑی سنگین حرکت کی ہے۔ کچھ بعید نہیں کہ اس کی وجہ سے آسمان پھٹ پڑیں، زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ٹوٹ کر گر پڑیں۔ کہ ان لوگوں نے خدائے رحمن کے لیے اولاد ہونے کا دعوی کیا ہے۔ حالانکہ خدائے رحمن کی یہ شان نہیں ہے کہ اس کی کوئی اولاد ہو۔ آسمانوں اور زمین میں جتنے لوگ ہیں، ان میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جو خدائے رحمن کے حضور بندہ بن کر نہ آئے۔ سورۃ مریم آیت ۸۸ تا ۹۳س

الوہیت مسیح کارد:

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۭ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَـيْـــًٔا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۭ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۭ يَخْلُقُ مَا يَشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ اللہ ہی مسیح ابن مریم ہے وہ یقینا کافر ہو گئے ہیں۔ (اے نبی! ان سے) کہہ دو کہ اگر اللہ مسیح ابن مریم کو اور ان کی ماں کو اور زمین میں جتنے لوگ ہیں ان سب کو ہلاک کرنا چاہے تو کون ہے جو اللہ کے مقابلے میں کچھ کرنے کی ذرا بھی طاقت رکھتا ہو؟ تمام

آسمانوں اور زمین پر اور ان کے درمیان جو کچھ موجود ہے اس پر تنہا ملکیت اللہ ہی کی ہے۔ وہ جو چیز چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ اور اللہ ہر چیز پر پوری پوری قدرت رکھتا ہے۔ سورہ المائدہ آیت ۱۷

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ۭ وَقَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ۭ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ ۭ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ○

وہ لوگ یقینا کافر ہو چکے ہیں جنہوں نے یہ کہا ہے کہ اللہ مسیح ابن مریم ہی ہے۔ حالانکہ مسیح نے تو یہ کہا تھا کہ: اے بنی اسرائیل اللہ کی عبادت کرو جو میرا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی پروردگار۔ یقین جانو کہ جو شخص اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرائے، اللہ نے اس کے لیے جنت حرام کر دی ہے اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے، اور جو لوگ (یہ) ظلم کرتے ہیں ان کو کسی قسم کے یارو مددگار میسر نہیں آئیں گے۔ سورۃ المائدہ آئت ۷۲

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۭ وَاِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ 73○ اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَيَسْتَغْفِرُوْنَهٗ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○

یقیناً کفر کیا ان لوگوں نے جنہوں نے کہا کہ اللہ تین میں کا تیسرا ہے جبکہ حقیقتاً نہیں ہے کوئی الہٰ سوائے ایک ہی الہٰ' کے اور اگر یہ باز نہ آئے اس سے جو کچھ یہ کہہ رہے ہیں تو ان میں سے جو کافر ہیں ان پر بہت دردناک عذاب آکر رہے گا۔ کیا پھر بھی یہ لوگ معافی کے لیے اللہ کی طرف رجوع نہیں کریں گے، اور اس سے مغفرت نہیں مانگیں گے؟ حالانکہ اللہ بہت بخشنے والا، بڑا مہربان ہے۔ سورۃ المائدہ آیت ۷۳

میثاق الانبیا:

وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۠ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ○

اور (اے پیغمبر) وہ وقت یاد رکھو جب ہم نے تمام نبیوں سے عہد لیا تھا اور تم سے بھی، اور نوح اور ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ ابن مریم سے بھی۔ اور ہم نے ان سے نہایت پختہ عہد لیا تھا۔ سورۃ احزاب آیت ۷

تمام انبیا کا دین اسلام ہی ہے:

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ۭ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ ۭ اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ 13○

اس نے تمہارے لیے دین کا وہی طریقہ طے کیا ہے جس کا حکم اس نے نوح کو دیا تھا، اور جو (اے پیغمبر) ہم نے تمہارے پاس وحی کے ذریعے بھیجا ہے اور جس کا حکم ہم نے ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا تھا کہ تم دین کو قائم کرو، اور اس میں تفرقہ نہ ڈالنا۔ (پھر بھی) مشرکین کو وہ بات بہت گراں گزرتی ہے جس کی طرف تم انہیں دعوت دے رہے ہو۔ اللہ جس کو چاہتا ہے چن کر اپنی طرف کھینچ لیتا ہے اور جو کوئی اس سے لو لگاتا ہے اسے اپنے پاس پہنچا دیتا ہے۔ سورۃ الشوریٰ ۱۳

حضرت عیسیٰؑ کا انکار کرنے والے کافر اور ماننے والے مسلمان:

فَلَمَّآ اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ۚ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ۚ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ 52○ رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ○

جب عیسیٰ نے محسوس کیا کہ بنی اسرائیل کفر و انکار پر آمادہ ہیں تو اس نے کہا کون اللہ کی راہ میں میرا مددگار ہو گا حواریوں نے جواب دیا ہم اللہ کے مددگار ہیں، ہم اللہ پر ایمان لائے گواہ رہو کہ ہم مسلمان ہیں۔ اے ہمارے رب! آپ نے جو کچھ نازل کیا ہے ہم اس پر ایمان لائے ہیں اور ہم نے رسول کی اتباع کی ہے، لہذا ہمیں ان لوگوں میں لکھ لیجیے جو (حق کی) گواہی دینے والے ہیں۔ سورۃ آل عمرآن آیت ۵۲-۵۳

وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِيْ وَبِرَسُوْلِيْ ۚ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ ۱۱۱○

اور جب میں نے حواریوں کے دل میں ڈالا کہ: " مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لائو،" تو انہوں نے کہا کہ: " ہم ایمان لائے اور تم گواہ رہو کہ ہم مسلمان ہیں۔ سورۃ المائدہ آیت ۱۱۱

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيّٖنَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ فَاٰمَنَتْ طَّاۗىِٕفَةٌ مِّنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ وَكَفَرَتْ طَّاۗىِٕفَةٌ ۚ فَاَيَّدْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلٰي عَدُوِّهِمْ فَاَصْبَحُوْا ظٰهِرِيْنَ 14○

' اے اہل ایمان! تم اللہ کے مددگار بن جاؤ' جیسے کہا تھا عیسیٰ (علیہ السلام) ابن مریم نے اپنے حواریوں سے' "کون ہے میرا مددگار اللہ کی طرف؟" "حواریوں نے کہا کہ ہم ہیں اللہ کے مددگار!" "تو بنی اسرائیل کا ایک گروہ (حضرت مسیح (علیہ السلام) پر) ایمان لے آیا اور دوسرا گروہ کفر پر اڑا رہا۔' ' تو ہم نے مدد کی ان کی جو ایمان لائے تھے ان کے دشمنوں کے خلاف' ' تو (بالآخر) وہی غالب ہوئے۔ سورۃ الصف آیت ۱۴

لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۭ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ○

بنو اسرائیل کے جو لوگ کافر ہوئے ان پر داؤد اور عیسیٰ ابن مریم کی زبان سے لعنت بھیجی گئی تھی یہ سب اس لیے ہوا کہ انہوں نے نافرمانی کی تھی، اور وہ حد سے گزر جایا کرتے تھے۔ سورۃ المائدہ آیت ۷۸

منکرین مسیحؑ کے لئے سخت سزا:

فَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَاُعَذِّبُھُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۡ وَمَا لَھُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ○

چنانچہ جو لوگ ایسے ہیں کہ انہوں نے کفر اپنا لیا ہے، ان کو تو میں دنیا اور آخرت میں سخت عذاب دوں گا، اور ان کو کسی طرح کے مددگار میسر نہیں آئیں گے۔ سورۃ آل عمران آیت ۵۶

مسلمانان مسیح کے لئے اجر و ثواب:

وَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَھُمْ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ○

البتہ جو لوگ ایمان لائے ہیں اور انہوں نے نیک عمل کیے ہیں، ان کو اللہ ان کا پورا پورا ثواب دے گا، اور اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔ سورۃ آل عمران آیت ۵۷

منکرین مسیح کو دعوت مباہلہ:

اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ 60○ فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ 61○ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○

حق وہی ہے جو تمہارے رب کی طرف سے آیا ہے، لہذا شک کرنے والوں میں شامل نہ ہو جانا۔ تو (اے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جو بھی اس معاملے میں آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے حجت بازی کرے اس کے بعد کہ آپ کے پاس صحیح علم آچکا ہے پس آپ ان سے کہہ دیجیے کہ آو' ہم بلاتے ہیں اپنے بیٹوں کو اور تم بلاؤ اپنے بیٹوں کو اور ہم (بلا لیتے ہیں) اپنی عورتوں کو اور تم (بلاؤ) اپنی عورتوں کو اور ہم بھی آجاتے ہیں اور تم بھی آجاؤ! پھر ہم سب مل کر دعا کریں اور لعنت کریں اللہ کی ان پر کہ جو جھوٹے ہیں۔ یقین جانو کہ واقعات کا سچا بیان یہی ہے۔ اور اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ اور یقیناً اللہ ہی ہے جو اقتدار کا بھی مالک ہے، حکمت کا بھی مالک۔ سورۃ آل عمران آیت ۶۲،۶۱،۶۰

مشرکین مکہ کے مقابلے میں پیغمبر خدا کو ترجیح:

وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا اِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّوْنَ 57○ وَقَالُوْٓا ءَاٰلِهَتُنَا خَيْرٌ اَمْ هُوَ مَا ضَرَبُوْهُ لَكَ اِلَّا جَدَلًا بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُوْنَ ○

اور جب (قرآن میں) ابن مریم کی مثال بیان کی جاتی ہے تو اس پر آپ کی قوم چلانے لگتی ہے۔ اور وہ کہتے ہیں کہ ہمارے معبود بہتر ہیں یا وہ؟ یہ باتیں وہ آپ سے نہیں کرتے مگر صرف جھگڑنے کو۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ ہیں ہی جھگڑالو لوگ۔ سورۃ الزخرف آیت ۵۸،۵۷

حضرت محمد ﷺ کی بشارت:

وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْ بَعْدِي اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ○

' اور یاد کرو جب عیسیٰ (علیہ السلام) ابن مریم نے کہا کہ اے بنی اسرائیل! میں اللہ کا رسول ہوں تمہاری طرف ' ' میں تصدیق کرتے ہوئے آیا ہوں اس کی جو میرے سامنے موجود ہے تورات میں سے ' اور بشارت دیتا ہوا ایک رسول کی جو میرے بعد آئیں گے ' ان کا نام احمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہو گا۔ پھر جب وہ (عیسیٰ (علیہ السلام) آئے ان کے پاس واضح نشانیوں کے ساتھ تو انہوں نے کہہ دیا کہ یہ تو کھلا جادو ہے۔ سورۃ الصف آیت ۶

حواریوں کی من و سلویٰ کی تمنا:

اِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ اَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ ؕ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۱۱۲○ قَالُوْا نُرِيْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُنَا وَنَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا وَنَكُوْنَ عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ۱۱۳○ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً مِّنْكَ ۚ وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ۱۱۴○ قَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّيْٓ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّآ اُعَذِّبُهٗٓ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ○

(اور ان کے اس واقعے کا بھی ذکر سنو) جب حواریوں نے کہا تھا کہ: اے عیسیٰ ابن مریم! کیا آپ کا پروردگار ایسا کر سکتا ہے کہ ہم پر آسمان سے (کھانے کا) ایک دستر خوان اتارے؟ عیسیٰ نے کہا: اللہ سے ڈرو اگر تم مومن ہو۔ انہوں نے کہا: ہم چاہتے ہیں کہ اس خوان سے کھانا کھائیں، اور اس کے ذریعے ہمارے دل پوری طرح مطمئن ہو جائیں، اور ہمیں (پہلے سے زیادہ یقین کے ساتھ) یہ معلوم ہو جائے کہ آپ نے ہم سے جو کچھ کہا ہے وہ سچ ہے، اور ہم اس پر گواہی دینے والوں میں شامل ہو جائیں۔ (چنانچہ) عیسیٰ ابن مریم نے درخواست کی کہ: یا اللہ! ہم پر آسمان سے ایک خوان اتار دیجیے جو ہمارے لیے اور ہمارے اگلوں اور پچھلوں کے لیے ایک خوشی کا موقع بن جائے، اور آپ کی طرف سے ایک نشانی ہو۔ اور ہمیں یہ نعمت عطا فرما ہی دیجیے، اور آپ سب سے بہتر عطا فرمانے والے ہیں۔ اللہ نے کہا کہ: میں بیشک تم پر وہ خوان اتار دوں گا، لیکن اس کے بعد تم میں سے جو شخص بھی کفر کرے گا اس کو میں ایسی سزا دوں گا جو دنیا جہان کے کسی بھی شخص کو نہیں دوں گا۔ سورۃ المائدہ آیت ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵

رہبانیت کی بدعت:

ثُمَّ قَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِرُسُلِنَا وَقَفَّيْنَا بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ ۙ وَجَعَلْنَا فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ رَاْفَةً وَّرَحْمَةً ؕ وَرَهْبَانِيَّةَ ِۨ ابْتَدَعُوْهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا ۚ فَاٰتَيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْهُمْ اَجْرَهُمْ ۚ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ○

پھر ہم نے بھیجے ان کے نقش قدم پر اپنے بہت سے رسول (علیہ السلام) اور پھر ان کے پیچھے بھیجا ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو اور اسے ہم نے انجیل عطا فرمائی اور جن لوگوں نے اس کی پیروی کی ہم نے ان کے دلوں میں بڑی نرمی اور رحمت پیدا کر دی۔ اور رہبانیت کی بدعت انہوں نے خود

ایجاد کی تھی ہم نے اسے ان پر لازم نہیں کیا تھا مگر اللہ کی خوشنودی کی تلاش میں پھر وہ اس کی رعایت بھی نہ کر سکے جیسا کہ اس کی رعایت کرنے کا حق تھا۔ تو ہم نے ان میں سے ان لوگوں کو ان کا اجر دیا جو ایمان لے آئے۔ لیکن ان کی اکثریت فاسقوں پر مشتمل ہے۔ سورۃ الحدید آیت ۲۷

یہود کے ہاتھوں حضرت عیسیٰؑ کے قتل کی سازش:

وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ۝

اور ان کافروں نے (عیسیٰ (علیہ السلام) کے خلاف) خفیہ تدبیر کی، اور اللہ نے بھی خفیہ تدبیر کی۔ اور اللہ سب سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے۔ سورۃ آل عمران آیت ۵۴

رفع آسمانی:

اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰۤى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَىَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ اِلَىَّ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۝

یاد کرو جب اللہ نے کہا کہ اے عیسیٰ (علیہ السلام) اب میں تمہیں لے جانے والا ہوں اور اپنی طرف اٹھا لینے والا ہوں اور تمہیں پاک کرنے والا ہوں ان لوگوں سے جنہوں نے (تمہارے ساتھ) کفر کیا ہے اور غالب کرنے والا ہوں ان لوگوں کو جو تمہاری پیروی کریں گے قیامت تک ان لوگوں پر جو تمہارا انکار کر رہے ہیں پھر میری طرف ہی تم سب کا لوٹنا ہو گا اور میں فیصلہ کر دوں گا تمہارے مابین ان باتوں میں جن میں تم اختلاف کر رہے تھے۔ سورہ آل عمران آیت ۵۵

وَّقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ؕ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِىْ شَكٍّ مِّنْهُ ؕ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ۝۱۵۷ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝۱۵۸

اور بسبب ان کے یہ کہنے کے کہ ہم نے قتل کیا مسیح عیسیٰ ابن مریم کو' اللہ کے رسول کو! حالانکہ نہ تو انہوں نے اسے قتل کیا اور نہ ہی اسے سولی دی' بلکہ اس کی شبیہہ بنا دی گئی ان کے لیے اور جو لوگ اس کے بارے میں اختلاف میں پڑے ہوئے ہیں وہ یقیناً شکوک و شبہات میں ہیں ان

کے پاس اس ضمن میں کوئی علم نہیں ہے سوائے اس کے کہ گمان کی پیروی کر رہے ہیں' اور یہ بات یقینی ہے کہ انہوں نے اسے قتل نہیں کیا۔ بلکہ اللہ نے انہیں اپنے پاس اٹھالیا تھا، اور اللہ بڑا صاحب اقتدار، بڑا حکمت والا ہے سورۃ النسا آیت ۱۵۷

• حضرت عیسیٰؑ کے بغیر ایمان مکمل نہیں

قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۖ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۖ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ 84○ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ 85○

کہیے ہم ایمان لائے اللہ پر اور جو نازل کیا گیا ہم پر اور جو کچھ نازل کیا گیا ابراہیم (علیہ السلام)' اسماعیل (علیہ السلام)' اسحاق (علیہ السلام)' یعقوب (علیہ السلام) اور ان کی اولاد پر اور جو بھی موسیٰ (علیہ السلام)' عیسیٰ (علیہ السلام) اور تمام انبیاء (علیہ السلام) کو دیا گیا ان کے رب کی طرف سے ہم ان میں سے کسی ایک کے مابین بھی کوئی تفریق نہیں کرتے' اور ہم تو اللہ ہی کے فرمانبردار ہیں۔ جو کوئی شخص اسلام کے سوا کوئی اور دین اختیار کرنا چاہے گا تو اس سے وہ دین قبول نہیں کیا جائے گا، اور آخرت میں وہ ان لوگوں میں شامل ہو گا جو سخت نقصان اٹھانے والے ہیں۔ سورۃ آل عمران آیت ۸۵،۸۴

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَقَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ ۡ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۭ اَفَكُلَّمَا جَاۗءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ ۚ فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ ۡ وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ 87○

اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی (یعنی تورات) اور اس کے بعد پے درپے رسول بھیجے۔ اور ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو بڑی واضح نشانیاں دیں اور ہم نے مدد کی ان کی روح القدس کے ساتھ پھر بھلا کیا جب بھی آیا تمہارے پاس کوئی رسول وہ چیز لے کر جو تمہاری خواہشات نفس کے خلاف تھی تو تم نے تکبر کیا) پھر ایک جماعت کو تم نے جھٹلایا اور ایک جماعت کو قتل کر دیا۔ سورۃ البقرہ آیت ۸۷

قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ڮ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ١٣٦○

کہو ہم ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور جو کچھ نازل کیا گیا ہماری جانب اور جو کچھ نازل کیا گیا ابراہیم' اسماعیل' اسحاق' یعقوب اور اولادِ یعقوب کی طرف اور جو کچھ دیا گیا موسیٰ اور عیسیٰ کو اور جو کچھ دیا گیا تمام نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے ہم ان میں سے کسی کے مابین تفریق نہیں کرتے اور ہم اسی کے مطیع فرمان ہیں۔ سورہ بقرہ آیت ۱۳۶

اہل کتاب کا حضرت عیسیٰؑ کی موت سے قبل آپؑ پر ایمان لانا:

وَاِنۡ مِّنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤۡمِنَنَّ بِهٖ قَبۡلَ مَوۡتِهٖ‌ ۚ وَيَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ يَكُوۡنُ عَلَيۡهِمۡ شَهِيۡدًا ۚ‏ ۱۵۹

اور نہیں ہو گا اہل کتاب میں سے کوئی بھی مگر اس پر ایمان لا کر رہے گا اس کی موت سے قبل اور قیامت کے دن وہی ان کے خلاف گواہ (بن کر کھڑا) ہو گا۔ سورۃ النسا آیت ۱۵۹

قربِ قیامت نزول:

وَاِنَّهٗ لَعِلۡمٌ لِّلسَّاعَةِ فَلَا تَمۡتَرُنَّ بِهَا وَاتَّبِعُوۡنِ‌ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسۡتَقِيۡمٌ ‏61

اور یقیناً وہ قیامت کی ایک علامت ہے تو اس (قیامت) کے بارے میں تم ہرگز شک نہ کرو اور میری پیروی کرو۔ یہی سیدھا راستہ ہے۔ سورۃ الزخرف آیت ۶۱

روزِ قیامت باز پرس:

اِذۡ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيۡسَى ابۡنَ مَرۡيَمَ اذۡكُرۡ نِعۡمَتِىۡ عَلَيۡكَ وَعَلٰى وَالِدَتِكَ‌ۘ اِذۡ اَيَّدْتُّكَ بِرُوۡحِ الۡقُدُسِ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِى الۡمَهۡدِ وَكَهۡلًا‌ ۚ وَاِذۡ عَلَّمۡتُكَ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ وَالتَّوۡرٰٮةَ وَالۡاِنۡجِيۡلَ‌ ۚ وَاِذۡ تَخۡلُقُ مِنَ الطِّيۡنِ كَهَيۡـَٔةِ الطَّيۡرِ بِاِذۡنِىۡ فَتَنۡفُخُ فِيۡهَا فَتَكُوۡنُ طَيۡرًۢا بِاِذۡنِىۡ‌ وَتُبۡرِئُ الۡاَكۡمَهَ وَالۡاَبۡرَصَ بِاِذۡنِىۡ‌ ۚ وَاِذۡ تُخۡرِجُ الۡمَوۡتٰى بِاِذۡنِىۡ‌ ۚ وَاِذۡ كَفَفۡتُ بَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ عَنۡكَ اِذۡ جِئۡتَهُمۡ بِالۡبَيِّنٰتِ فَقَالَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا مِنۡهُمۡ اِنۡ هٰذَاۤ اِلَّا سِحۡرٌ مُّبِيۡنٌ‏ ۱۱۰

جب کہے گا اللہ تعالیٰ اے عیسیٰ (علیہ السلام) ابن مریم ذرا میرے ان انعامات کو یاد کرو جو تم پر اور تمہاری والدہ پر ہوئے جبکہ میں نے تمہاری مدد کی روح القدس سے تم گفتگو کرتے تھے لوگوں کے ساتھ پنگھوڑے میں بھی اور بڑی عمر کو پہنچ کر بھی اور (یاد کرو میرے اس احسان کو) جب کہ میں نے تمہیں سکھائی کتاب اور حکمت' یعنی تورات اور انجیل اور (یاد کرو) جب تم بناتے تھے گارے سے پرندے کی ایک شکل

' میرے حکم سے پھر تم اس میں پھونک مارتے تھے تو وہ ایک اڑنے والا پرندہ بن جاتا تھا میرے حکم سے اور تم اچھا کر دیتے تھے مادر زاد اندھے کو اور کوڑھی کو میرے حکم سے اور جب تم مردوں کو نکال کھڑا کرتے تھے میرے حکم سے اور (یاد کرو میرے اس احسان کو بھی) جب میں نے بنی اسرائیل کے ہاتھ روک دیے تم سے جب کہ تم آئے ان کے پاس کھلے معجزات کے ساتھ تو کہا ان لوگوں نے جو ان میں سے کافر تھے کہ یہ تو صریح جادو کے سوا کچھ نہیں ہے۔ سورۃ المائدہ آیت ۱۱۰

وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ یٰعِیْسَى ابْنَ مَرْیَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَاُمِّیَ اِلٰهَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا یَكُوْنُ لِیْۤ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَیْسَ لِیْ ۗ بِحَقٍّ ؕ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ؕ تَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِیْ وَلَاۤ اَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِكَ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ ۱۱۶ مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَاۤ اَمَرْتَنِیْ بِهٖۤ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبَّكُمْ ۚ وَكُنْتُ عَلَیْهِمْ شَهِیْدًا مَّا دُمْتُ فِیْهِمْ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْهِمْ ؕ وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ ۱۱۷ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۱۱۸ قَالَ اللّٰهُ هٰذَا یَوْمُ یَنْفَعُ الصّٰدِقِیْنَ صِدْقُهُمْ ؕ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَاۤ اَبَدًا ؕ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ۱۱۹

اور جب اللہ کہے گا کہ اے مریم کے بیٹے عیسیٰ! کیا تم نے کہا تھا لوگوں سے کہ مجھے اور میری ماں دونوں کو معبود بنالینا' اللہ کے سوا؟ وہ (جواب میں) عرض کریں' گے (اے اللہ) تو پاک ہے' میرے لیے کیسے روا تھا کہ میں وہ بات کہتا جس کے کہنے کا مجھے کوئی حق نہیں اگر میں نے وہ بات کہی ہوتی تو وہ تیرے علم میں ہوتی تو تو جانتا ہے جو کچھ میرے جی میں ہے اور میں نہیں جانتا جو تیرے جی میں ہے۔ یقیناً تمام پوشیدہ حقیقتوں کا جاننے والا تو بس تو ہی ہے۔ میں نے ان سے کچھ نہیں کہا مگر وہی کچھ جس کا تو نے مجھے حکم دیا تھا (اور وہ یہی بات تھی) کہ بندگی کرو اللہ کی جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے اور میں ان پر نگران رہا جب تک ان میں موجود رہا پھر جب تو نے مجھے اٹھالیا تو (اس کے بعد) تو ہی نگران تھا ان پر اور یقیناً تو ہر چیز پر گواہ ہے۔ اب اگر تو انہیں عذاب دے تو یہ تیرے ہی بندے ہیں اور اگر تو انہیں بخش دے تو تو زبردست ہے' حکمت والا ہے۔ اللہ کہے گا کہ: یہ وہ دن ہے جس میں سچے لوگوں کو ان کا سچ فائدہ پہنچائے گا۔ ان کے لیے وہ باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں، جن میں یہ لوگ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ ان سے خوش ہے اور یہ اس سے خوش ہیں۔ یہی بڑی زبردست کامیابی ہے۔ سورۃ المائدہ آیت ۱۱۶

دجال اکبر کا ظل دجال اصغر

ترتیب و تحقیق: سلمان احمد[1]

سلام اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔ اما بعد

دجال اولاد آدم میں سے ایک مرد ہے جو آخری زمانے میں آئے گا۔ دجال کے کے فتنہ سے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیاء نے اپنی امتوں کو ڈرایا۔ لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے فتنہ سے ڈرانے کے ساتھ اس کی بہت سی نشانیاں بھی بتلائی ہیں۔ عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا: آدم کی تخلیق سے لیکر قیامت قائم ہونے تک کوئی معاملہ دجال کے فتنے سے بڑھ کر نہیں ہے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی "العقیدۃ الحسنہ" میں لکھتے ہیں یہ لفظ "دجل" سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں، مکر و فریب اور حق و باطل میں خلط و تلبس، اور ان معنی کا دجال میں پایا جانا بالکل ظاہر ہے

حضور روف الرحیم محمد عربی ﷺ نے دجال کے متعلق فرمایا ہے:

بخاری، حدثنا یحیٰ بن سلیمان، قال: اخبرنی ابن وھب قال: حدثنی عمر بن محمد، انّ اباہ حدثہ عن ابن عمر قال: کنّا نتحدث بحجۃ الوداع ثم ذکر المسیح الدجال فاطنب فی ذکرہ وقال: فابعث اللہ من نبی الا انذر امتہ، انذرہ نوح والنبیون من بعدہ وانّہ یخرج فیکم فما خفیٰ علیکم من شانہ یخفیٰ علیکم انّ ربکم لیس باعور وانّہ اعور عین الیمنیٰ کان غنیتہ غنہ طافیہ۔ الاّ انّ اللہ حرّم علیکم دمائکم واموالکم کحرمۃ یومکم ھذا فی بلدکم ھذا۔[2]

---

[1] سلمان احمد: محقق ختم نبوت

[2] صحیح بخاری، کتاب المعازی باب حجۃ الوداع، ج ۲، ص ۶۴۷

بخاری، ہم سے یحیٰ بن سلیمان نے حدیث بیان کی، کہا مجھے ابن وہب نے خبر دی کہا مجھ سے عمرو بن محمد نے حدیث بیان کی، ان سے ان کے والد نے حدیث بیان کی اوران سے ابن عمر نے حدیث بیان کی اورانہوں نے کہا: کہ ہم حجۃ الوداع کا ذکر کیا کرتے تھے حضور اکرم (ص) باحیات تھے، اور ہم نہیں سمجھتے تھے کہ حجۃ الوداع کا مفہوم کیا ہو گا، آنحضرت (ص) نے اللہ کی حمد کی اور مسیح دجال کا ذکر پوری تفصیل کے ساتھ بیان کیا، آپ نے فرمایا جتنے بھی انبیاء اللہ نے بھیجے ہیں، سب نے دجال سے اپنی امت کو ڈرایا ہے، نوح نے اپنی امت کو ڈرایا ہے اور دوسرے انبیاء کرام نے بھی جو آپ کے بعد مبعوث ہوئے۔

احادیث رسول اللہ ﷺ میں دجال اکبر کے علاوہ کچھ اور دجالوں کذابون کا ذکر ملتا ہے جن کی آمد دنیا میں فتنہ وفساد کا باعث ہو گی۔ ان دجالوں کی مماثلت بہت حد تک دجال اکبر سے ہوتی ہے۔ ان چھوٹے دجالوں میں ایک دجال ایسا بھی گزرا جس میں دجال اکبر کی نشانیں باقی تمام دجالوں کی نسبت سب سے زیادہ ہیں اور ہم بجا طور پر اسے دجال اکبر کا ظل دجال اصغر کہہ سکتے ہیں۔ یہ دجال مرزا غلام احمد قادیانی کی شکل میں قادیان میں نمودار ہوا اور احادیث نبوی ﷺ میں بیان کی گئی نشانیوں اپنی تحریرات سے بیان کی گئی دجال کی نشانیوں پر پورا اتر کر دجال اکبر کا ظل دجال اصغر کہلایا۔

مرزا غلام قادیانی کی تحریرات کا اگر بغور جائزہ لیا جائے تو یہ چیز واضع ہوتی ہے کہ مرزا غلام قادیانی جابجا اپنی ہی تحریرات کی زد میں آکر متناقض بیانات سے اپنی ہی بیخ کنی کرتا رہا ہے۔ مرزا غلام احمد قادیانی یا شمار ان چند اشخاص میں ہوتا ہے جو جس شاخ پر بیٹھے ہوتے ہیں اسے ہی کاٹتے نظر آتے ہیں۔ زیر نظر مضمون میں آحادیث رسول اللہ ﷺ اور مرزا غلام قادیانی صاحب کی کتابوں سے چند اقتباسات پیش کیے جارہے ہیں جس کی بدولت مرزا صاحب مثیلِ دجال اور انکے پیروکاروں دجال کی پیروی کرنے والے شمار ہوتے ہیں

1۔ دجال کی نسل کیا ہو گئی:

قارئین کرام احادیث نبیوی ﷺ میں دجال کا ذکر بصراحت موجود ہے اور اسکی واضح نشانیاں بھی موجود ہیں۔ احادیث نبویہ ﷺ میں دجال کی نسل بیان کی گئی ہے۔ اس کے لیے مسلم شریف کی ایک حدیث پیش خدمت ہے۔

صحیح مسلم: جلد سوم: حدیث نمبر 2848 کے مطابق دجال یہودی ہو گا۔

مرزاغلام قادیانی کی نسل مرزاصاحب کی زبانی:

اب اس حدیث اور پھر مرزاصاحب کے بیان کی روشنی میں مرزاصاحب کو پرکھتے ہیں:

"میں خدا سے وحی پاکر کہتا ہوں کہ میں بنی فارس میں سے ہوں اور بموجب اُس حدیث کے جو کنزالعمال میں درج ہے بنی فارس بھی بنی اسرائیل اور اہل بیت میں سے ہیں"[1]

مرزاجی انکشاف کرتے ہیں وہ قوم یہود سے ہیں وہ بھی خدا کی وحی نے ان پر یہ انکشاف کیا ہے۔ پھر ایک اور جگہ فرماتے ہیں:

میں اسرائیلی بھی ہوں اور فاطمی بھی۔[2]

مرزاجی میں اور دجال میں ایک قدر یہ مشترک آئی کہ دجال بھی یہودی ہوگا اور مرزاصاحب بھی بنی اسرائیل سے ہونے کا دعوہ کرتے ہیں۔

2۔ دجال دعویٰ نبوت کرے گا پھر دعویٰ خدائی:

دجال کی دوسری نشانی مرزاغلام قادیانی نے بیان کی ہے کہ وہ دعوہ نبوت کرے گا پھر دعوہ خدائی کر دے گا۔

"دجال کا بھی حدیثوں میں ذکر پایا جاتا ہے کہ وہ دنیا میں ظاہر ہوگا اور پہلے دعوہ نبوت کرے گا اور پھر خدائی کا دعویدار بن جائے گا"[3]

اس نشانی پر مرزاغلام قادیانی کو پرکھا جائے تو روز روشن کی طرح یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ مرزاغلام احمد قادیانی کے دعوہ جات بعینہ دجال کے دعویٰ جات سے میل کھاتے ہیں۔

دعویٰ نبوت:

"تیسری بات جو اس وحی سے ثابت ہوئی ہے، وہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ جب تک کہ طاعون دنیا میں رہے گا گو ستر برس تک رہے

---

[1] ایک غلطی کا ازالہ صفحہ 5، روحانی خزائن جلد 18 صفحہ 213

[2] ایک غلطی کا ازالہ صفحہ 6، روحانی خزائن جلد 18 صفحہ 216

[3] تحفہ گولڑویہ صفحہ 85، روحانی خزائن جلد 17 صفحہ 233

، قادیان کو اس کی خوفناک تباہی سے محفوظ رکھے گا کیونکہ یہ اس کے رسول کا تخت گاہ ہے اور یہ تمام امتوں کے لیے نشان ہے "[1]

2۔ "سچا خدا وہی ہے جس نے قادیاں میں اپنا رسول بھیجا"[2]

دعویٰ خدائی:

1۔ آوا ہن (خدا تیرے اندر اتر آیا)۔[3]

2۔ 'میں نے اپنے کشف میں دیکھا کہ میں خود خدا ہوں اور یقین کیا کہ وہی ہوں''[4]

3۔ تو جس بات کا ارادہ کرتا ہے، وہ تیرے حکم سے فی الفور ہو جاتی ہے۔[5]

مرزا غلام احمد قادیانی کا کہنا ہے دجال پہلے دعویٰ نبوت کرے گا پھر دعوہ خدائی کرے گا ہم مرزا غلام قادیانی کی کتابوں کا مطالعہ کریں تو یہ دونوں دعویٰ جات جابجا نظر آتے ہیں۔یوں مرزا غلام قادیانی اپنی تحریرات کی روشنی میں مثیلِ دجال ثابت ہوتا ہے۔

3۔ستر ہزار مسلمان کہلانے والے دجال کے ساتھی ہوں گے:

ستر ہزار یہودی دجال کے پیروکار ہو جائیں گے[6]۔

ستر ہزار یہودی دجال کے پیروکار ہو جائیں گے۔[7]

اس حدیث شریف کو مرزا غلام احمد قادیانی بھی اپنی کتاب میں نقل کرتا ہے۔

---

[1] دافع البلاء صفحہ 10، روحانی خزائن جلد 18، صفحہ 230

[2] دافع البلاء صفحہ 11، روحانی خزائن جلد 18، صفحہ 231: سال تصنیف 23 اپریل 1902

[3] کتاب البریہ صفحہ 84، روحانی خزائن جلد 13 صفحہ 102

[4] کتاب البریہ صفحہ 85، روحانی خزائن جلد 13 صفحہ 103

[5] حقیقت الوحی، صفحہ 105، مندرجہ روحانی خزائن جلد 22، صفحہ 108: سال تصنیف 15 مئی 1907

[6] صحیح مسلم مترجم: حدیث نمبر 2672، ادارہ اسلامیات لاہور کراچی

[7] سنن ابن ماجہ: جلد سوم: حدیث نمبر 957

یہ وہی یہودی ہیں جن کی نسبت صحیح مسلم میں حدیث ہے کہ وہ قریب ستر ہزار کے دجال کے ساتھ ہو جائیں گے ساتھ ہونا یہی ہے کہ ان کی بات کا تصدیق کرنا اور حدیث میں اس بات کی تصریح ہے کہ وہ یہودی دراصل مسلمان ہوں گے لیکن یہودیوں کی طرح اپنی غلطیوں پر جمیں گے اور ظاہر پرست ہوں گے۔ اس لئے یہودی کہلائیں گے[1]۔

چوتھی مہدی کی یہ نشانی ہے کہ اس کے وقت میں بہت سے مسلمان یہودی طبع دجّال سے مل جائیں گے یعنی وہ لوگ بظاہر مسلمان کہلائیں گے اور دجال کی ہاں کے ساتھ ہاں ملاویں گے یعنی نصاریٰ کے دعویٰ فتح کے مُصدِّق ہوں گے۔[2]

مرزا غلام قادیانی اپنی کتاب انوار الاسلام صفحہ 49، روحانی خزائن جلد 9 صفحہ 50 پر رقمطراز ہیں:

"پس اس پیشگوئی کا ظہور ہے کہ جو حدیثوں میں آیا ہے کہ ستر ہزار مسلمان کہلانے والے دجال کے ساتھ مل جائیں گے۔ اب علمائے مفکرین بتلا دیں کہ یہ باتیں پوری ہو گئیں یا نہیں"

مرزا غلام قادیانی اس اقتباس سے یہ کچھ باتیں علم میں آئیں ہیں:

1۔ دجال کے ساتھ جو ملیں گے وہ خود کو مسلمان کہلوائیں گے۔

2۔ انکی تعداد ستر ہزار ہو گئی۔

3۔ اور یہ بات اس وقت میں پوری ہو گی جو اس وقت یعنی مرزا صاحب کا وقت ہے۔

مرزا جی کی بیان کی گئی اس نشانی کو اب مرزا جی کی اپنی تحریرات کی روشنی میں پرکھتے ہیں۔

متعدد جگہ مرزا صاحب اپنے پیروکاروں کی تعداد ستر ہزار بتاتے ہوئے پائے گئے ہیں۔

"اس وقت خدا تعالیٰ کے فضل سے ستر ہزار کے قریب بیعت کرنے والوں کا شمار پہنچ گیا ہے"[3]

---

[1] انوار السلام صفحہ 44، روحانی خزائن جلد 9 صفحہ 45 تا 46

[2] انوار السلام صفحہ 48، روحانی خزائن جلد 9 صفحہ 49

[3] نزول المسیح صفحہ 4، روحانی خزائن جلد 18، صفحہ 382 تا 383

جو جماعت پہلے دنوں میں چالیس آدمیوں سے بھی کم تھی آج ستر ہزار کے قریب پہنچ گئی [1]"

"چالیس آدمی میرے دوست تھے اور آج ستر ہزار کے قریب اُن کی تعداد ہے [2]"

1۔ مرزا صاحب نے خود اقرار کیا کہ دجال کا ساتھ دینے والے مسلمان کہلانے والے ہوں گے جب کے مرزا کو ماننے والے پہلے مسلمان ہی تھے مگر مرزا غلام قادیانی (دجال) کو مان کر یہودی صفت ہو گئے۔

2۔ انکی تعداد ستر ہزار ہو گی۔ اور مرزا کے پیروکاروں کی تعداد بھی ستر ہزار ہے۔

3۔ یہ تمام باتیں اس وقت ظہور پذیر ہوں گی جو مرزا کا وقت ہے یعنی مرزا کے دور کا موجودہ وقت۔

4۔ دجال مکہ مدینہ میں داخل نہیں ہو سکے گا:

دجال مکہ مدینہ میں داخل نہ ہو سکے گا۔ [3]

اس بات کا اقرار مرزا غلام قادیانی اپنی کتاب ازالہ اوہام میں بھی کر چکا ہے:

اب ابن صیّاد کا حال سنیے کہ اس کا انجام کیا ہوا سو یہ مسلم کی حدیث سے واضح ہوتا ہے اور وہ یہ ہے **وعن ابی سعید الخدری قال صحبت ابن صیّاد الیٰ مکّۃ فقال لی ما لقیت من الناس یزعمون انّی الدجال الست سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول انہٗ لا یُوْلَدُ لہ وقد ولد لی الیس قد قال وھو کافر وانا مسلم اولیس قد قال لا یدخل المدینۃ ولا مکّۃ وقد اقبلت من المدینۃ وانا ارید مکّۃ۔** *اور ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ میں نے ہمراہی ابن صیّاد کے بعزم مکہ سفر کیا۔ تب اُس سفر میں ابن صیّاد نے مجھ کو کہا کہ لوگوں کی یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم کی ان باتوں سے مجھے بہت ایذا پہنچتا ہے کہ وہ خیال کرتے ہیں کہ دجّال معہود میں ہی ہوں اور تم جانتے ہو کہ اصل حقیقت اس کے بر خلاف ہے تو نے سُنا ہو گا کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ دجّال لاولد رہے گا اور میں صاحب اولاد

---

[1] نزول المسیح صفحہ 30، روحانی خزائن جلد 18، صفحہ 408

[2] نزول المسیح صفحہ 32، روحانی خزائن جلد 18، صفحہ 410

[3] صحیح مسلم مترجم؛ جلد سوم حدیث نمبر 2670، ادارہ اسلامیات لاہور کراچی

ہوں اور نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ دجّال کافر ہو گا اور میں مسلمان ہوں اور فرمایا تھا کہ دجّال مدینہ اور مکّہ میں داخل نہیں ہو سکے گا۔ اور میں مدینہ سے تو آیا ہوں اور مکّہ کی طرف چلا جاتا ہوں۔[1]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ دجال آئے گا اور مدینہ اور مکہ میں نہیں جا سکے گا۔[2]

مرزا قادیانی مکہ مدینہ میں تادم مرگ داخل نہ ہو سکا حتی کہ مرزا غلام قادیانی باجود صاحب استطاعت ہونے کے حج بیت اللہ کے لیے مکہ نہ جا سکا اور نہ ہی بمطابق حدیث روضہ رسول پر سلام کرنے کی سعادت حاصل کر سکا۔ مرزا غلام قادیانی کے مکہ جا کر حج نہ کرنے کی چند مضحکہ خیز تحریرات پیش خدمت ہیں:

1۔ آپ اس سوال کا جواب دیں کہ مسیح موعود جب ظاہر ہو گا تو کیا اوّل اس کا یہ فرض ہونا چاہیے کہ مسلمانوں کو دجال کے خطرناک فتنوں سے نجات دے یا یہ کہ ظاہر ہوتے ہی حج کو چلا جائے۔ اگر بموجب نصوصِ قرآنیہ وحدیث یہ پہلا فرض مسیح موعود کا حج کرنا ہے نہ دجال کی سرکوبی تو وہ آیات اور احادیث دکھلانی چاہئیں تا ان پر عمل کیا جائے۔"[3]

2۔ "ہمارا حج تو اس وقت ہو گا جب دجال بھی کفر اور دجل سے باز آ کر طوافِ بیت اللہ کرے گا۔"[4]

"میرا پہلا کام خنزیروں کا قتل اور صلیب کی شکست ہے۔ ابھی تو میں خنزیروں کو قتل کر رہا ہوں۔ بہت سے خنزیر مر چکے ہیں اور بہت سے سخت جان ابھی باقی ہیں۔ ان سے فرصت اور فراغت تو ہو لے۔"۔[5]

3۔ "تمام مسلمان علماء اوّل ایک اقرار نامہ لکھ دیں کہ اگر ہم حج کر آویں تو وہ سب کے سب ہمارے ہاتھ پر توبہ کر کے ہماری جماعت میں داخل ہو جائیں گے اور ہمارے مرید ہو جائیں گے۔ اگر وہ ایسا لکھ دیں اور اقرار حلفی کریں تو ہم حج کر آتے ہیں۔"[6]

---

[1] ازالہ اوہام ص 211 مندرجہ روحانی خزائن ج 3 ص 211

[2] مباحثہ لدھیانہ صفحہ 117، روحانی خزائن جلد 4 صفحہ 119

[3] ایام الصلح ص 190 مندرجہ روحانی خزائن ج 14 ص 416 از مرزا قادیانی

[4] ایام الصلح ص 190 مندرجہ روحانی خزائن ج 14 ص 416 از مرزا قادیانی

[5] ملفوظات ج 3 ص 372 از مرزا قادیانی

[6] ملفوظات ج 9 ص 325 از مرزا قادیانی

4۔ "اب اگر ہم حج کو چلے جائیں تو گویا اس خدا کے حکم کی مخالفت کرنے والے ٹھہریں گے اور من استطاع الیہ سبیلاً کے بارے میں کتاب حج الکرامہ میں یہ بھی لکھا ہے کہ اگر نماز کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو حج ساقط ہے۔ حالانکہ اب جو لوگ جاتے ہیں ان کی کئی نمازیں فوت ہوتی ہیں ماموریں کا اوّل فرض تبلیغ ہوتا ہے۔ آنحضرت ﷺ 13 سال مکہ میں رہے آپ ﷺ نے کتنی دفعہ حج کیے تھے؟ ایک دفعہ بھی نہیں کیا تھا۔"[1]

مرزا قادیانی کا بیٹا مرزا بشیر احمد ایم اے اپنے باپ کے حج ادا نہ کرنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے:

5۔ "ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حج نہیں کیا۔ اعتکاف نہیں کیا۔ زکوٰۃ نہیں دی۔ تسبیح نہیں رکھی۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ حج نہ کرنے کی تو خاص وجوہات تھیں کہ شروع میں آپ کے لیے مالی لحاظ سے انتظام نہیں تھا۔"[2]

5۔ دجال کا گدھا اور مرزا قادیانی کی سواری:

احادیث نبویہ میں دجال اور اسکی نشانیوں کے ساتھ ساتھ دجال کے گدھے کے بارے میں بھی تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اہل علم اس بات سے آشنا ہیں کہ مرزا غلام قادیانی کی تاویلات کی پٹاری عمرو عیار کی زنبیل سے بھی زیادہ قوی تھی۔ مرزا غلام قادیانی اس قدر بے سروپا تاویلات کرتا تھا کہ شیطان کے بھی کان کترتا تھا۔ احادیث نبویہ ﷺ میں ارشاد ہے

دجّال کے گدھے کے بارہ میں آنحضرت ﷺ کی پیشگوئی سے کیا مراد ہے؟ احادیث سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ "یخرج الدجال علی حمار اقمر ما بین اذنیہ سبعون باعاً"۔[3]

یعنی دجّال ایک ایسے گدھے پر سوار، خروج کرے گا کہ جو روشن سفید رنگ والا ہوگا اور اس کے دونوں کانوں کے درمیان ستّر باع کا فاصلہ ہو گا۔ اور ایک اور روایت میں ہے

---

[1] ملفوظات ج 5 ص 388 از مرزا قادیانی

[2] سیرت المہدی ج 3 ص 119 از مرزا بشیر احمد ایم اے

[3] مشکوٰۃ المصابیح۔ باب العلامات بین یدی الساعۃ وذکر الدجال۔ الفصل الثالث۔ مطبوعہ دینی کتب خانہ اردو بازار لاہور

" تحته حمار اقمر طول کل اذن من اذنیه ثلاثون ذراعاً مابین حافر حماره الی الحافر مسیرة یوم ولیلة، تطوی لهٗ الارض منهلاً یتناول السحاب بیمینه ویسبق الشمس الی مغیبها یخوض البحر الی کعبیه امامه جبل دخان وخلفه جبل اخضر ینادی بصوت له یسمع به مابین الخافقین الیّ اولیائی الیّ اولیائی، الیّ احبائی الیّ احبائی "[1]

یعنی اس (دجّال) کی سواری ایک ایسا گدھا ہو گا جس کا رنگ سفید ہو گا اور اس کے ایک کان اور دوسرے کان کے درمیان تیس ہاتھ کا فاصلہ ہو گا اس کے ایک پاؤں سے دوسرے پاؤں کے درمیان ایک رات اور ایک دن مسافت کا فاصلہ پڑے گا۔ اس کے لئے زمین سمیٹی جائے گی (یعنی وہ بڑی سرعت سے سفر کرے گا) وہ سورج کے غروب ہونے کے مقام پر اس سے پہلے پہنچ جائے گا۔ سمندر کا پانی اس کے ٹخنوں تک پہنچے گا۔ اس کے آگے سیاہ دھوئیں کا پہاڑ ہو گا تو پیچھے سبز رنگ (کے دھوئیں) کا۔ وہ ایسی آواز دے کر بلائے گا کہ اس کو زمین وآسمان کے درمیان سب سنیں گے۔ وہ کہے گا اے میرے دوستو! براہ کرم آجاؤ۔ اے میرے پیارو! براہ مہربانی آجاؤ۔

احادیث نبویہ ﷺ کی مخالفت مرزاغلام قادیانی کے رگ وریشہ میں سمائی ہوئی تھی۔ مرزاغلام قادیانی اسی شاخ کو کاٹتا تھا جس پر وہ سوار ہوتا تھا مرزاغلام قادیانی نے دجال کے گدھے کی جو توجیح بیان کی اسکی زد میں خود ہی آگیا۔ مرزا قادیانی کے بقول دجال کا گدھا موجودہ دور کی ریل گاڑی ہے۔ اور مرزاغلام قادیانی خود اکثر واوقات دجال کے گدھے پر سواری کر کے خود کو دجال اکبر کا ظل دجال اصغر ثابت کر گیا۔

ٹرین دجال کا گدھا ہے بقول مرزا:

از انجملہ ایک بڑی بھاری علامت دجّال کی، اس کا گدھا ہے جس کے بین الاذنین کا اندازہ سترّ باع کیا گیا ہے اور ریل کی گاڑیوں کا اکثر اسی کے موافق سلسلہ طولانی ہوتا ہے اور اس میں بھی کچھ شک نہیں کہ وہ دخان کے زور سے چلتی ہے جیسے بادل ہوا کے زور سے تیز حرکت کرتا ہے۔ اس جگہ ہمارے نبی ﷺ نے کھلے کھلے طور پر ریل گاڑی کی طرف اشارہ فرمایا ہے چونکہ یہ عیسائی قوم کا ایجاد ہے جن کا امام ومقتدا یہی دجّالی گروہ ہے اس لئے ان گاڑیوں کو دجّال کا گدھا قرار دیا گیا۔ اب اس سے زیادہ اور کیا ثبوت ہو گا کہ علاماتِ خاصّہ دجّال کے انہیں لوگوں میں

---

[1] منتخب کنز العمال۔ بر حاشیہ مسند احمد بن حنبل۔ الجزء السادس۔ صفحہ ۵۳۔ دار الذکر للطباعۃ والنشر بیروت

پائے جاتے ہیں۔ انہیں لوگوں نے مکروں اور فریبوں کا اپنے وجود پر خاتمہ کر دیا ہے اور دین اسلام کو وہ ضرر پہنچایا ہے جس کی نظیر دنیا کے ابتداء سے نہیں پائی جاتی اور انہیں لوگوں کے متبعین کے پاس وہ گدھا بھی ہے جو دخان کے زور سے چلتا ہے جیسے بادل ہوا کے زور سے۔[1]

مرزا غلام قادیانی نے دجال کے گدھے پر اکثر اوقات سواری کی:

{630} بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے میرے علم میں بذریعہ ریل حسب ذیل جگہوں کا سفر کیا ہے۔ گورداسپور۔ پٹھانکوٹ۔ امرتسر۔ لاہور۔ سیالکوٹ۔ جموں۔ جہلم۔ دہلی۔ لدھیانہ۔ جالندھر۔ انبالہ چھاؤنی۔ فیروزپور چھاؤنی۔ پٹیالہ۔ ملتان اور علی گڑھ۔ اور حضرت صاحب نے ہوشیارپور کا مشہور سفر بذریعہ سڑک کیا تھا۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت صاحب یکّہ پر ڈلہوزی بھی تشریف لے گئے تھے۔ نیز سنّور بھی گئے تھے مگر وہ پٹیالہ کے سفر کا حصہ ہی تھا۔[2]

6۔ دجال کا ظہور مشرقی جانب کے ایک شہر خراسان سے نکلے گا:

دجال کا ظہور مشرقی جانب کے ایک شہر خراسان سے نکلے گا۔[3]

مرزا غلام احمد قادیانی کا خاندان خراسان میں مقیم رہا ہے۔[4]

اور مرزا اسے اپنے مہدی ہونے کی نشانی بیان کرتا ہے جب کہ یہ دجال کی نشانی ہے۔

---

[1] ازالہ اوہام۔ روحانی خزائن جلد ۳ صفحہ ۴۹۳

[2] سیرت المہدی روایت نمبر 630

سیرت المہدی روایت نمبر 393

سیرت المہدی روایت نمبر 667

سیرت المہدی، روایت نمبر 1014

سیرت المہدی، روایت نمبر 1077

[3] سنن ترمذی حدیث نمبر 2237

[4] تاریخ احمدیت صفحہ 31 جلد 1

حدیث رسول ﷺ کی روشنی میں دجال کے خروج کی نشانی خراسان بتائی گئی تھی مگر چونکہ یہ بات پہلے بیان کر دی گئی ہے مرزا غلام قادیانی ان اشخاص میں سے ہے جو جس شاخ پر بیٹھتے ہیں اسی کو کاٹتے ہیں۔ مرزا غلام قادیانی نے اپنے مسیح ہونے کے دعوے کو تقویت دینے کے لیے دجال کا خروج اسی جگہ سے بتایا جہاں وہ خود موجود تھا۔ حدیث نبوی میں دجال کے خروج کی سمت مشرق بتائی گئی مگر اس میں ہندوستان لفظ کی صراحت موجود نہیں تھی مگر مرزا غلام قادیانی نے خود سے مشرق میں ہندوستان کے لفظ کو شامل کر کے خود اپنے پیروں پر کلہاڑی رسید کر دی اور دجال کی ایک اور نشانی خود میں موجود ہونے کی دلیل دے بیٹھا۔ پیش خدمت ہے دجال کے مثیل کا ہندوستان سے نمودار ہونے کا مرزا غلام قادیانی کا دعویٰ۔

7۔ دجال کا مثیل مشرق سے نکلے گا جس میں ہندوستان شامل ہے:

حدیث رسول ﷺ میں دجال کے خروج کی سمت مشرق بیان کی گئی:

یہ ہے طیبہ۔ یہ ہے طیبہ (یعنی مدینہ منورہ)" پھر آپؐ نے فرمایا: "میں تم کو یہی بتایا کرتا تھا۔ جان لو کہ دجال شام کے سمندر (بحیرہ روم) میں ہے یا یمن کے سمندر (بحر عرب) میں ہے۔ نہیں! وہ مشرق میں ہے! مشرق میں! اور اللہ کے نبیؐ نے اپنے ہاتھ سے مشرق کی طرف اشارہ کیا۔[1]

مرزا غلام قادیانی نے اس حدیث کو اپنی کتاب مباحثہ لدھیانہ میں نقل کیا مگر دجل کا مرتکب ہوا اور اس میں ہندوستان ملک کی اضافت کر گیا۔

1۔ الا آنہ فی بحر الیمن لا بل من قبل المشرق ماھو واومابیدہ الی المشرق یعنی آگاہ ہو کیا تحقیق دجال اس وقت شام کے دریا میں ہے یا یمن کے دریا میں۔ نہیں بلکہ وہ مشرق کی طرف سے نکلے گا اور مشرق کی طرف اشارہ کیا۔ ماھو کے لفظ میں اشارہ کیا کہ بذاتہٖ وہ نہ نکلے گا بلکہ اس کا مثیل نکلے گا۔ تمیم داری نصاریٰ کی قوم میں سے تھا اور نصاریٰ ہمیشہ ملک شام کی طرف سفر کرتے ہیں۔ سو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمیم داری کے اس خیال کو رد کر دیا کہ وہ شام کے دریا میں کسی جزیرہ میں دجال کو دیکھ آیا ہے اور فرمایا کہ دجال مشرق کی طرف سے نکلے گا جس میں ہندوستان داخل ہے۔[2]

---

[1] نعیم بن حماد، الفتن، باب خروج الدجال وسیرۃ، حدیث نمبر: 1527

[2] مباحثہ لدھیانہ صفحہ 118، روحانی خزائن جلد 4 صفحہ 120

2۔ حدیث کا منشاء یہ ہے کہ جیسے دجال مشرق میں ظاہر ہو گا ایسا ہی مسیح موعود بھی مشرق میں ہی ظاہر ہو گا۔[1]

اس لئے ماننا پڑا کہ مسیح موعود اور مہدی اور دجّال تینوں مشرق میں ہی ظاہر ہوں گے اور وہ ملک ہند ہے۔[2]

سو یاد رہے کہ دجال کا خروج مشرق میں بتایا گیا ہے۔ جس سے ہمارا ملک مراد ہے؛ چنانچہ صاحب حج الکرامہ نے لکھا ہے کہ فتن دجال کا ظہور ہندوستان میں ہو رہا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ ظہور مسیح اسی جگہ ہو گا، جہاں دجال ہو پھر اس گاوں کا نام قدعہ قرار دیا ہے۔ جو قادیان کا مخفف ہے ۔[3]

مشرق میں بہت سے افراد موجود ہیں جن پر دجال کے ظل ہونے کا شائبہ بھی نہیں ہو تا کیونکہ ان میں دجال کی باقی نشانیوں کی تائید نہیں ہے مگر باقی نشانیوں کی روشنی میں مرزا غلام قادیانی اپنے دعوے جات کے مقابل پر مشرق یعنی ہندوستانی دجال ہونے کا زیادہ حق دار قرار پایا۔ مرزا غلام قادیانی مشرق کی طرف ملک ہندوستان میں نمودار ہوا اور رسالت و خدائی دعویٰ کر دیا۔

8۔ دجال کی ایک آنکھ کانی ہو گی:

احادیث رسولِ مکرم ﷺ میں بیان کیا گیا ہے کہ دجال ایک آنکھ سے کانا ہو گا۔

وعن عبد الله قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم إن الله لا يخفى عليكم إن الله تعالى ليس بأعور وإن المسيح الدجال أعور عين اليمنى كأن عينه عنبة طافية. متفق عليه. (متفق عليه)[4]

"اور حضرت عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا" یقیناً اللہ تعالیٰ تم پر مخفی نہیں ہے بلاشبہ اللہ تعالیٰ کانا نہیں ہے جب کہ مسیح دجال داہنی آنکھ سے کانا ہو گا۔ اور اس کی وہ آنکھ ایسی ہو گی جیسے وہ انگور کا ایک پھولا ہوا دانا ہے۔" (بخاری و مسلم)

مرزا غلام قادیانی نے ان احادیث کو اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے۔

---

[1] تحفہ گولڑویہ صفحہ 47، روحانی خزائن جلد 17 صفحہ 165 حاشیہ

[2] تحفہ گولڑویہ صفحہ 47، روحانی خزائن جلد 17 صفحہ 167

[3] ملفوظات طبع جدید جلد اول صفحہ 31

[4] مشکوۃ شریف۔ جلد پنجم۔ قیامت سے پہلے ظاہر ہونے والی نشانیاں اور دجال کا ذکر۔ حدیث 36

1۔ اگرچہ حدیثوں کے ظاہر الفاظ سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ دجّال ایک خاص آدمی ہے جو ایک آنکھ سے کانا اور دوسری بھی عیب دار ہے۔[1]

2۔ اور جو دجّال کی آنکھوں کی نسبت حدیثوں میں آیا ہے کہ ایک آنکھ اُس کی بالکل اندھی ہوگی اور ایک میں پھولا ہوگا۔[2]

مرزا غلام احمد قادیانی کی تصویر اگر آپ غور سے دیکھیں تو آپکے علم میں اضافہ ہوگا مرزا غلام قدیانی کی آنکھیں غیر متانسب اور آپ میں ملتی نہیں تھیں۔

جائے عبرت یہ ہے کہ مرزا کہتا ہے دجال کی ایک آنکھ کانی اور دوسری عیب دار ہوگی۔ قارئین کے علم میں اضافہ کے لیے عرض کر دیں کہ مرزا قادیانی کی ایک آنکھ چھوٹی اور دوسری عیب دار یعنی اس میں مائی اوپیاء کی بیماری تھی اور مرزا غلام قادیانی پہلی رات کا چاند نہیں دیکھ سکتا تھا۔

{673} بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ حضرت صاحب کی آنکھوں میں مائی اوپیا تھا۔ اسی وجہ سے پہلی رات کا چاند نہ دیکھ سکتے تھے۔ مگر نزدیک سے آخر عمر تک باریک حروف بھی پڑھ لیتے تھے۔ اور عینک کی حاجت محسوس نہیں کی۔ اور وراثتہً آنکھوں کی یہ حالت حضرت صاحب کی تمام اولاد میں آئی ہے کہ دُور کی نظر کمزور ہے۔

خاکسار عرض کرتا ہے کہ مجھے یاد ہے کہ کبھی رمضان یا عید میں پہلی رات کا چاند دیکھنا ہوتا تھا تو آپ کسی دوست کی عینک منگا کر دیکھنے کی کوشش کیا کرتے تھے۔[3]

9۔ چاند و سورج دجال کے ظاہر ہونے کی نشانی:

جماعت احمدیہ قادیانیہ اکثر و بیشتر کتاب دار قطنی سے ایک قول کو حدیث بنا کر پیش کرتی ہے جس میں مہدی کے آنے کی نشانی چاند و سورج گرہن کو بتایا گیا ہے۔ مندرجہ بالا قول پیش ہے۔

---

[1] روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 489 روحانی خزائن جلد 3 صفحہ 489

[2] روحانی خزائن جلد 17 صفحہ 234

[3] سیرت المہدی حصہ سوم صفحہ 624

" حَدَّثَنَا أَبُو سَعِيدٍ الْإِصْطَخْرِيُّ, ثنا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ نَوْفَلٍ, ثنا عُبَيْدُ بْنُ يَعِيشَ, ثنا يُونُسُ بْنُ بُكَيْرٍ, عَنْ عَمْرِو بْنِ شِمْرٍ, عَنْ جَابِرٍ, عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيٍّ, قَالَ: «إِنَّ لِمَهْدِيِّنَا آيَتَيْنِ لَمْ تَكُونَا مُنْذُ خَلَقَ اللَّهُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ, يَنْخَسِفُ الْقَمَرُ لِأَوَّلِ لَيْلَةٍ مِنْ رَمَضَانَ, وَتَنْكَسِفُ الشَّمْسُ فِي النِّصْفِ مِنْهُ, وَلَمْ تَكُونَا مُنْذُ خَلَقَ اللَّهُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ» "۔[1]

ترجمہ:۔ عمرو بن شمر (جعفی کوفی) نے جابر (بن یزدی جعفی) سے اور اس نے "محمد بن علی" سے روایت کیا ہے، انہوں نے کہا کہ: ہمارے مہدی کی دو ایسی نشانیاں ہیں کہ جب سے زمین و آسمان بنے ہیں یہ دونوں کبھی واقع نہیں ہوئیں (پہلی نشانی) رمضان کی پہلی رات کو چاند گرہن ہو گا اور (دوسری نشانی) رمضان کے نصف میں سورج گرہن ہو گا، اور یہ دونوں (گرہن) جب سے زمین و آسمان بنے ہیں کبھی نہیں لگے۔

قادیانی حضرات اس قول کو حدیث کہنے پر بہت زور دیتے ہیں۔ جب کہ یہ ایک ضعیف قول ہے۔ اس قول میں مہدی کی آنے کی نشانی بیان کی گئی مگر مرزا غلام احمد قادیانی نے اس نشانی میں حسب سابق ملاوٹ کر کے دجال کے لفظ کا اضافہ کر دیا اور اس کے لیے ایک شعر پیش کر دیا۔

؎ در سن غاشی ہجری دو قراں خواہد بود از پئے مہدی و دجّال نشاں خواہد بود

اِس شعر کا ترجمہ یہ ہے کہ جب چودھویں صدی میں سے گیارہ برس گذریں گے تو آسمان پر خسوف کسوف چاند اور سورج کا ہو گا اور وہ مہدی اور دجال کے ظاہر ہو جانے کا نشان ہو گا۔[2]

مرزا غلام قادیانی کئی جگہ اس نشان کو اپنی تائید میں پیش کر تا رہا ہے:

1۔ "اب دیکھو یہ پیشگوئی کیسی صفائی سے پوری ہو گئ اور میرے دعویٰ کے وقت رمضان کے مہینہ میں اسی صدی یعنی چودھویں صدی 1311 ھ میں خسوف کسوف ہو گیا۔[3]

2۔ اور جیسا کہ ایک اور حدیث میں بیان کیا گیا ہے۔ یہ گرہن دو مرتبہ رمضان میں واقع ہو چکا ہے۔ اول اِس ملک میں دوسرے امریکہ میں اور دونوں مرتبہ انہیں تاریخوں میں ہوا ہے جن کی طرف حدیث اشارہ کرتی ہے اور چونکہ اس گرہن کے وقت میں مہدی معہود ہونے کا مدعی

---

[1] سنن الدارقطني، جلد 2 صفحات 419 تا 420

[2] تحفہ گولڑویہ صفحہ 27، روحانی خزائن جلد 17 صفحہ 132

[3] تحفہ گولڑویہ صفحہ 27، روحانی خزائن جلد 17 صفحہ 132

کوئی زمین پر بجز میرے نہیں تھا اور نہ کسی نے میری طرح اس گرہن کو اپنی مہدویت کا نشان قرار دیکر صدہا اشتہار اور رسالے اُردو اور فارسی اور عربی میں دنیامیں شائع کیئے اِس لئے یہ نشانِ آسمانی میرے لئے متعین ہوا۔[1]

چونکہ مرزاصاحب خود اس قول کا مصداق خود کو سمجھتے ہیں تو باقی نشانیوں کے پیش نظر مرزاغلام قادیانی اس قول کے مطابق وہی دجال کا ظل ٹھہرے جس کے آنے پر یہ خسوف وکسوف کا نشان ظاہر ہونا تھا۔

10۔دجال زندگی اور موت دینے کے اختیار کا دعوہ دار ہو گا:

احادیث رسول ﷺ میں دجال کی ایک نشانی یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ زندگی اور موت کا مالک ہونے کا دعوہ کرے گا۔ ایک حدیث پیش خدمت ہے۔

1۔ وہ ایک بدّو سے کہے گا۔ اگر میں تمہارے باپ اور ماں کو تمہارے لیے دوبارہ زندہ کروں تو تم کیا کروگے؟ کیا تم شہادت دوگے کہ میں تمہارا خدا ہوں۔ بدّو کہے گا: ہاں! چنانچہ دو شیاطین اس بدّو کے ماں اور باپ کے روپ میں اس کے سامنے آجائیں گے اور کہیں گے: ہمارے بیٹے اس کا حکم مانو یہ تمہارا خدا ہے۔[2]

2۔ حدیث شریف کا مفہوم ہے الدجال آئے گا لیکن اس کے لیے مدینہ میں داخل ہونا ممنوع ہو گا۔ وہ مدینہ کے مضافات میں کسی بنجر (سیم زدہ) علاقے میں خیمہ زن ہو گا۔ اس دن بہترین آدمی یا بہترین لوگوں میں سے ایک اس کے پاس آئے گا اور کہے گا: میں تصدیق کرتا ہوں تم وہی دجال ہو جس کا حلیہ ہمیں اللہ کے نبیؐ نے بتایا تھا۔ الدجال لوگوں سے کہے گا: اگر میں اسے قتل کر دوں اور پھر زندہ کر دوں تو کیا تمہیں میرے دعویٰ میں کوئی شبہ رہے گا؟ وہ کہیں گے نہیں! پھر الدجال اسے قتل کر دے گا اور پھر اسے دوبارہ زندہ کر دے گا۔ وہ آدمی کہے گا اب میں تمہاری حقیقت کو پہلے سے زیادہ بہتر جان گیا ہوں۔ الدجال کہے گا: میں اسے قتل کرنا چاہتا ہوں لیکن ایسا نہیں ہو سکتا۔[3]

---

[1] حقیقت الوحی صفحہ 195، روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 202

[2] ابن ماجہ، کتاب الفتن، باب فتنہ دجال، حدیث نمبر:4077

[3] صحیح البخاری، کتاب الحج، ابواب فضائل المدینہ، باب لا یدخل الدجال المدینۃ، حدیث نمبر:1783

مرزا غلام احمد قادیانی کو دعویٰ تھا کہ وہ دجال کی طرح فانی کرنے اور زندہ کرنے کی صفت رکھتا ہے جو کہ خالصتاً اللہ رب العزت کی صفت ہے۔

مرزا قادیانی اپنی کتاب خطبتہ الہامیہ میں کہتا ہے:

"اور مجھ کو فانی کرے اور زندہ کرنے کی صفت دی گئی ہے"۔[1]

جماعت قادیانیہ سے ہمدردانہ التجا ہے کہ محبت کی عینک اتار کر مرزا غلام قادیانی کی شخصیت کو فتنوں کے اس دور میں دجالی نشانیوں کی روشنی میں پرکھیں۔ بالکل غیر متعصب ہو کر فیصلہ کریں کہ سچ کیا ہے؟ معاملہ ایمان کا ہے۔ اگر اسی کفر کی حالت میں موت نے آلیا تو دنیا و آخرت میں کہیں جائے پناہ نہ ملے گی۔ جن دجالین کے آنے کی خبر محمد عربی ﷺ نے دی ہے اس کی نشانیوں کو مرزا غلام قادیانی میں تلاش کریں اور حق کو قبول کرنے میں پہل کریں ایسا نہ ہو کہ دیر ہو جائے پھر کف افسوس ملنے کے سوا کچھ چارہ نہ رہے گا۔

دعا ہے اللہ تعالیٰ دلوں کی گرہیں کھول دے اور حق بات سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین

والسلام علی من اتبع الھدی

[1] خطبتہ الہامیہ صفحہ 23، روحانی خزائن جلد 16 صفحہ 55 تا 56

- بد قسمتی سے آج بعض لوگوں نے معیار علم تنقید کو بنا رکھا ہے ان کے مطابق جو جتنا بڑا نقاد ہو گا اتنا ہی بڑا وہ صاحب علم ہو گا جب کہ حقیقت کا اس سے کوءی سروکار نہیں ہے ۔
- آج تنقید کی آڑ میں تنقیص کا مرض بڑھتا جا رہا ہے۔
- نفس تنقید بری بات نہیں لیکن جب اس سے حسد و کینہ کی بو آنے لگے تو نہایت کم ظرفی کی علامت ہے۔
- تنقید کرو لیکن اس کی عادت نہ ڈالو کیوں کہ اس کا نقصان نفع سے زیادہ ہے۔
- تنقید کرنے والوں کو بغور سنو اور جواب دہی وقت کے حوالہ چھوڑ دو۔
- بلا وجہ علما کو تنقید کا نشانہ بنانا دین سے دوری کی علامت ہے۔
- دو اردو کی کتابیں پڑھ کر علما پر تنقید کو فطرت بنالینا کج فہمی کی بین دلیل ہے۔
- جس کا مزاج تنقید اور فطرت تنقیص بن جائے تو اس کی ذلت یقینی ہے۔

کچھ مشورے:

- آپ کسی کی تنقید کو قطعا خاطر میں نہ لائیں۔
- تنقید کرنے والوں کی تعداد ہمیشہ تعریف کرنے والوں سے زیادہ رہی ہے لہذا تنقید کرنے والوں کو اگنور کریں اور تعریف کرنے والوں کی امیدوں پر کھرے اتریں۔

✓ سب سے ضروری بات کہ آپ اپنی فکر کو بلند رکھیں عقابی روح پیدا کریں شاہین سی پرواز کا جذبہ پیدا کریں تنقید کیا طوفان کے دھارے بھی آپ کے قدموں کو متزلزل نہیں کرسکتے کسی پر تنقید کرنے سے پہلے تحقیق ضرور کرلیں۔

نکاح !وقت کی اہم ضرورت

نازش مدنی مراد آبادی: بھارت

نکاح جہاں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم سنت مبارکہ ہے وہیں انسانی فطرت کا اہم حصہ بھی ہے بلکہ اس پر فتن دور میں تقریبا ہر بالغ مرد و عورت کے لیے نکاح وجوب کا درجہ رکھتا ہے۔ مگر افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑ رہا ہے کہ شریعت اسلامیہ نے جس قدر نکاح کو آسان کیا تھا اسی قدر آج کل لوگوں کے بے جا رسم و رواج نے اس نیک کام کو مشکل ترین بنا دیا ہے۔ فی زمانہ حال یہ ہے کہ جس عمر میں بچوں کی شادی ہونی چاہیے وہ سارا وقت والدین اس کی تعلیم و تعلم میں ختم کرا دیتے ہیں اور اس کو اسی خیال میں گزار دیتے ہیں کہ ابھی تو یہ اپنے پیروں پہ بھی نہیں کھڑا ہوا بیوی کو کیسے رکھے گا جبکہ یہ خلاف شرع سوچ ہے کہ جب وہ کمانا شروع کرے گا تب شادی ہو گی ٹھیک ہے بندہ کے پاس کوئی ذریعہ معاش بھی ہو مگر اس کا ہر گز یہ مطلب نہیں کہ اس بہانہ سے اسکو اس نعمت عظمی سے محروم رکھا جائے یاد رہے روزی روٹی رزاق کائنات کے دست قدرت میں ہے۔ بیوی کے آنے پہلے ہی رزق کا انتظام اللہ کریم خود فرما دیتا ہے:

اے کاش میری قوم کے وہ والدین کچھ دیر بیٹھ کر سوچیں کہ ہم تاخیر در تاخیر کر کے بچوں کی زندگی کو کیوں داؤں پر لگا رہے ہیں اس سے پہلے کے آپ کی اولاد غیر مناسب راہیں اختیار کر کے آپ کی عزت کو پامال کرے پہلے ہی اس کی نکاح کی راہیں ہموار کی جائیں بعد میں کف افسوس ملنے سے کچھ نہیں ہو گا۔

؎ اب پچھتائے کیا ہوت
جب چڑیا چگ گئی کھیت

کیا آپ کو معلوم نہیں کہ کس قدر پر فتن دور ہے جس میں ہم جی رہے ہیں ہر طرف فتنہ ہی فتنہ ہے جو کچھ کم تھا تو وہ کمی اس موبائل نے پوری کر دی اور اس کا استعمال بھی مخفی نہیں ہے تو بتاؤ اسکے جنسی تعلقات اور خواہشات ماند رہے گے یا بڑھیں گے اور وہ جنسی مریض بنے گا یا نہیں؟ یقیناً سب کا جواب اثبات ہی میں ہو گا جب سارا کچھ آپ کو معلوم ہے تو پھر تاخیر کیوں اور ظلم بالائے ظلم یہ کہ اگر بچہ اپنی خواہشات سے مجبور ہو

کر اگر والدین کی یاد دہانی کراتا ہے تو اسکو یہ کہہ کر ذلیل کیا جاتا ہے کہ بے شرم انسان والدین سے یہ باتیں کہی جاتی ہیں میں کہتا ہوں صاحب! یہ بے حیائی نہیں ہے بلکہ اسکا اپنا حق طلب کرنا ہے جسکو آپ نے بے شرمی کا نام دیا ہوا ہے۔

اس معاملہ میں جب ہم دور صحابہ کی طرف نظر کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے صحابہ کرام آپس میں اس معاملے کو لیکر کس قدر حساس ہوا کرتے تھے اس بات کا انداز ابو داؤد شریف کی اس حدیث مبارکہ سے ہو لگایا جا سکتا ہے:

عَنْ عَلْقَمَةَ، قَالَ إِنِّي لَأَمْشِي مَعَ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ بِمِنًى، إِذْ لَقِيَهُ عُثْمَانُ فَاسْتَخْلَاهُ، فَلَمَّا رَأَى عَبْدُ اللَّهِ أَنْ لَيْسَتْ لَهُ حَاجَةٌ، قَالَ لِي تَعَالَ يَا عَلْقَمَةُ، فَجِئْتُ، فَقَالَ لَهُ عُثْمَانُ أَلَا نُزَوِّجُكَ يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمَنِ بِجَارِيَةٍ بِكْرٍ، لَعَلَّهُ يَرْجِعُ إِلَيْكَ مِنْ نَفْسِكَ مَا كُنْتَ تَعْهَدُ؟ فَقَالَ عَبْدُ اللَّهِ لَئِنْ قُلْتَ ذَاكَ، لَقَدْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ، فَإِنَّهُ أَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَأَحْصَنُ لِلْفَرْجِ، وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ فَإِنَّهُ لَهُ وِجَاءٌ۔[1]

علقمہ کہتے ہیں کہ میں عبداللہ بن مسعود (رضی اللہ عنہ) کے ساتھ منیٰ میں چل رہا تھا کہ اچانک ان کی ملاقات عثمان (رضی اللہ عنہ) سے ہو گئی تو وہ ان کو لے کر خلوت میں گئے، جب عبداللہ بن مسعود (رضی اللہ عنہ) نے محسوس کیا کہ انہیں (شادی کی) ضرورت نہیں ہے تو مجھ سے کہا علقمہ! آجاؤ تو میں گیا تو عثمان (رضی اللہ عنہ) نے ان سے کہا ابو عبدالرحمٰن! کیا ہم آپ کی شادی ایک کنواری لڑکی سے نہ کرا دیں، شاید آپ کی دیرینہ طاقت و نشاط واپس آجائے۔ عبداللہ بن مسعود (رضی اللہ عنہ) نے کہا اگر آپ ایسی بات کہہ رہے ہیں تو میں تو اللہ کے رسول ﷺ کو فرماتے ہوئے سن چکا ہوں کہ تم میں سے جو شخص نکاح کی طاقت رکھتا ہو اسے نکاح کر لینا چاہیئے کیونکہ یہ نگاہ کو خوب پست رکھنے والی اور شرمگاہ کی خوب حفاظت کرنے والی چیز ہے اور جو تم میں سے اس کے اخراجات کی طاقت نہ رکھتا ہو تو اس پر روزہ ہے یہ اس کی شہوت کے لیے توڑ ہو گا

دیکھیے کس احسن انداز میں صحابہ کرام آپس میں ایک دوسرے کے مشوروں سے نکاح کے معاملات کو حل کر لیا کر لیتے تھے حالانکہ وہ موجودہ فتنوں سے پاکیزہ زمانہ تھا مگر پھر بھی ان نفوس قدسیہ کو کس طرح اپنے بھائیوں کے نکاح کا احساس ہوتا تھا آخر میں پھر میں یہی کہوں گا کہ والدین اپنے بچوں کے نکاح کے طرف دھیان دیں اور بروقت انکی ازدواجی زندگی کو بہتر سے بہتر بنائیں۔

اللہ کریم امت مسلمہ کے حال زار پہ رحم فرمائے آمین۔

---

[1] کتاب السنن سنن ابی داؤد 5 / 3 حدیث 2039 موسسۃ الریان بیروت لبنان

[1]

Abstract

Luke rewrites the *euangelion* of Christ in a historical style blending history and legend into one homogenous story. The author of the Luke's Gospel draws upon hearsay, lore, and church traditions simultaneously to cohere and narrate his story, which he reworks with historical details to feed into history. In all likelihood, the only literary sources available to Luke, other than the hypothetical Q document, were the Gospels of Mark and Matthew, which the author drew upon under the assumption that those two prior works contained historical information about the person of Jesus of Nazareth. My argument, which I will unpack in this article, is that Luke's history is based on a valid form of recording past from both contemporary and modern standards. Contrarily, the information is nonetheless packaged within a stream of understanding that is oft erroneous by historical standards and may well be put in close proximity with missional propagation by the virtue of content. There is a carefully constructed soteriological agenda of the author underlying the narrative, which renders the Gospel of Luke as a work of theology more than that of history. In order to be accepted as a work of pure history, the assumptions made by the author had to stand true to the philosophy of history, which in a historical-critical reading of the Gospel may, in fact, fall apart and turn out to be the work of a mind preoccupied with religious agenda. And to serve that religious agenda, the author does not hesitate to use his imagination to fill in the gaps in a fashion that might be viewed as a crude form of historical fiction.

Keywords

Luke, Jesus, Markan Priority, Paul, Gospel of Thomas, Synoptic, Kerygma

[1] Syed M waqas:Researcher at BAB-UL-ILM RESEARCH FOUNDATION (BIRF) http://birf.weebly.com/

Introduction:

The Gospel of Luke is the third book in the canonical arrangement of the New Testament. The two other so-called "Synoptic Gospels," Gospel of Matthew and Gospel of Mark, are placed before the Gospel of Luke in the universal organization of the New Testament by the church after the Nicene canonization of the Bible, whereas the Gospel of John, a different subgenre within the discipline of gospel writing, finds its place after that of Luke's account of the *euangelion*, "good news," of Jesus Christ. And it is, in a high degree of historical probability, the right chronological order of the four canonical Gospels. The case in hand is that of Luke's view of the historical life of Jesus, which this article will attempt to explore and analyze. I will, therefore, critically look into the narrative as recorded in the third Synoptic Gospel, the Gospel of Luke.

According to a majority of scholars, it is not only true from the point of view of traditional understanding but also correct from a historical perspective that the Gospel of Luke was a book written after the Gospel of Mark and most probably after that of Matthew as well; this view is called *Markan Priority*.[1] There are, however, some historians and textual critics who believe otherwise and assign a different chronology to the writing of the three referenced biographies of Jesus, which biblical scholars put under the category of *Markan Posterity*.[2] In spite of a careful attempt to steer clear of the subject's technical details, it is nonetheless important to understand that all three of the Synoptic Gospels, in their togetherness, form a somewhat coherent picture of the life and times of Jesus filling up certain gaps that are usually left behind in the linear narration of the story by the one Gospel's writer or the other.

Luke's Gospel is unique in that it takes a look into the life of Jesus from a historian's eye view. The author unapologetically sounds more interested in the historical details than mere theological and spiritual message of the kingdom melodrama. The construction of the plot and the layout of the Gospel are, moreover, in line with the model of historical writings prevalent in the Greco-Roman world of that era. The beginning of the Gospel of Luke is, for instance, a digression from the traditional style of narrative writing in vogue among the Christians of the first century and a leaning towards Hellenistic historians' methodology of designing an account along the lines of historical genre that exhibits more interest in historical and factual details.[3]

Traditionally, it is believed that the author of Luke's Gospel was associated with Saul of Tarsus, the Apostle Paul, the most prolific writer in the New Testament and allegedly the most influential Christian ever. It is, therefore, assumed that Luke received the theological worldview of the narrative of his Gospel from Paul. This association of the Lukan writer with Paul is deemed

---

[1] Mark Goodacre, *The Synoptic Problem: A Way Through the Maze* (New York, NY: T&T Clark, 2001), 57, 60.

[2] Goodacre, *Synoptic Problem*, 59.

[3] Stanley E Porter, and Andrew W. Pitts, *Christian Origins and Hellenistic Judaism* (Leiden: Brill NV, 2013), 456.

not necessarily being in the capacity of an evangelist or disciple, but more properly as a physician and friend.[1] Paul mentions Luke by name in Colossians 4:14. Moreover, it is also suggested that the Book of Acts is yet another work by the author of the Gospel of Luke, which continues the Gospel story after the disappearance of Jesus from the earthly stage into what is referred to as the Apostolic Age.[2] Opinions, on the other hand, do exist in disagreement with that traditional belief of the church, which is, however, an area of scholarship beyond the purview of this article. Broadly, it may be concluded with confidence that a consensus of the majority does recognize the author of the Luke's Gospel in close association with the Apostle Paul.

The Gospel of Luke is organized into eight main sections that describe the life, ministry, message, works, and goal of Jesus. The Gospel views Jesus as the awaited Messiah of the Jewish prophetic tradition and recognizes the fulfillment of the Old Testament's messianic prophecies on his person (24:44). Therefore, there is little issue of confusion or lack of Messiah-recognition badges in the Gospel of Luke. The author designs a lineage patent for Jesus out of the Jewish memory in the third chapter that not only connects him with David, the most celebrated King of Israel, but also takes his ancestry back to Abraham and Adam. The Lukan author works out this long chain of ancestors, perhaps, in an attempt to appropriate the messianic claim of Jesus within the historical subconscious of the nation of Israel. The audience of the Gospel is introduced to *the* Christhood of Jesus and the enormity of his ministry in the first chapter of the Gospel. This is especially true in a stage-act setting, which indicates that the Gospels were composed as narratives of Jesus' life story that were to be frequently staged among early generations of Christians. Unlike the distinct character of the Gospel of Mark, which keeps the messianic role of Jesus mysteriously secret from the apostles, almost everyone in the Gospel of Luke has crude knowledge of the fact that Jesus is the promised Messiah of the Jewish prophecy. The writer of Luke takes measured steps in weaving the historical data, literary devices, pious legends, and Christian expectations all together in a process of committing the story of Jesus to writing. Such a learned approach of the writer of the third Gospel of the Christian scriptures towards the source material and writing techniques grants his work of writing his masterpiece a most deserving recognition and this acknowledgement thus gradually turns his work into a lofty pillar of the church.

Jesus before Ministry:

The life of Jesus in the Gospel of Luke is, to a notable degree, different in the layout and scope from the other two biographies of Jesus recorded in the Gospels of Matthew and Mark.

---

[1] The expression "beloved Luke" supports the speculation that there was a close friendship between Paul and Luke. The Greek word used here for *beloved* is ἀγαπητὸς, which expresses a more than formal connection between the two.

[2] D. Marguerat, *The First Christian Historian: Writing the 'Acts of the Apostles'* (Cambridge: Cambridge University Press, 2002), 29-30.

Whereas the Markan writer cannot configure how to present the Christhood of Jesus to other characters in the story until he is past half of the Gospel's storyline, the Lukan writer brings it out in public immediately and unequivocally.[1] The archangel Gabriel gives Mary, the mother of Jesus, the "good news" of the birth of a son who will ascend the throne of King David (1:28-33). By describing the episode of the angelic prophecy, the writer of Luke gives a head start to his Gospel account and constructs a positivist prophetic scenario that is weaved throughout into the fabric of the theology and sociology of the Gospel. It is important to note that the birth of John the Baptist, the Jewish baptizing sage of the first century, is described in a fashion similar to the story of Jesus' birth in the first chapter of the Gospel and as such bears a miraculous nature. From a critical standard, it represents the display of a particular motif instead of *only* recording a historical event.

What is crucial to understand in the Gospel of Luke is that Jesus is in complete control of the theater of his life, which is perhaps the way the writer wants to present it. The Gospel account bears little confusion about the identity of Jesus despite the fact that he could face the social stigma of being born without an (earthly) father, which he basically evades because of being understood, as Luke 3:23 points out, as the son of Joseph, the carpenter. Jesus is, moreover, recognized as the descendant of King David as well as the inheritor of his throne. In the Gospel of Luke, the life of Jesus begins to get a different spin from a very early stage. According to Luke, Jesus is born near Bethlehem in a manger at a time when Joseph and Mary are traveling from Nazareth to Bethlehem for a census that Caesar Augustus has ordered (2:1-7). There is, however, no running away to Egypt in Luke to escape the mass infanticide orchestrated by Herod that is reported in the Gospel of Matthew. Soon afterwards, Jesus is presented by his parents in the temple in Jerusalem in keeping with the Jewish tradition (2:20-40). The reason why such an important pilgrimage to the Solomon's Temple in Jerusalem is made by both Joseph and Mary can be traced from two books of the Pentateuch, Leviticus 12 and Exodus 13:12–15, which delineate the details of the ritual purification required of the mother and redemption of the firstborn son.[2] What stands out to a critical eye in this section of the Gospel is the absolute certitude of the author in determining the identity of Jesus being the awaited Messiah of Israel while he is still a baby. Simeon, for instance, is a rabbinic character introduced by the author in the plot of the story to share the good news with other characters around in the Gospel—and the audience of Luke—that Jesus is indeed the promised Messiah of the Jews (2:29-32). A twin character, Anna, a temple prophetess, joins Simeon in the conversation at the right moment and

---

[1] And the difference between the Gospels of Matthew and Luke is that Matthew was written for a Jewish audience, whereas Luke addresses a Gentile audience that is more Hellenistic as well as literate than the Jewish population of Judea.

[2] The option of making the offering of 2 turtledoves was made available to the poor who could not afford to sacrifice a lamb (Leviticus 12:8).

confirms the statement of Simeon by acknowledging his prophecy and spreading the word about the boy who will ‘rescue Jerusalem’ (2:40). It was an ingenious technique in the ancient literature—similar to that of Shakespeare’s *asides*—to acknowledge and propagate a protagonist’s divine or divinely ordained stature, which takes place through a godly person’s sudden appearance on the storyline for the end goal of prophetically recognizing the awaited grand future of an apparently insignificant character in the early development of the plot of the story.[1] Once the job is done, the character of the prophesier simply disappears from the plot. This motif of ancient literature is sometimes called ‘metaphor of myth and literature,’ which implies that a prophesier has a meaningful place of presence in a heroic story at an appropriate moment of entry.[2] Critically, it is an attempt towards the standardizing of a subjective belief into one objective, which reflects the yearning of the innate human nature trapped in the travesties of an uncertain religious sociology.

The story further tells that Jesus stuns everyone around him with his wisdom, maturity, and integrity when he is yet a young boy of twelve. He attends the Jerusalem temple in the fulfillment of the Jewish custom once more (2:41-52). Luke does not explain the custom, but it has not stopped a few scholars from using their imagination and guessing that it is, most probably, the noted Jewish ceremony of Jesus’ *bar mitzvah* that is reported in the Gospel of Luke; still others argue that it was the annual event of the Passover.[3] Even from a historical-critical perspective, the ceremonial event of the *bar mitzvah* is an acceptable candidate in the *sitz im leben* of the historical Jesus amidst a rabbinic nation. Some scholars, on the other hand, disagree with the *bar mitzvah* theory on historical basis suggesting that the practice, though not known among the Jews as *bar mitzvah* in the first century, was around in its crude form and would only involve teenage boys past their thirteenth birthday.[4] This episode is not, however, reported in any of the other canonical Gospels of the New Testament. On the contrary, nevertheless, the apocryphal book *Infancy Gospel of Thomas* does record the story with a little embellishment in chapter 19:1-12. The years between the pilgrimage to the temple in Jesus’ infancy and the second trip in his boyhood are entirely skipped by the author of Luke, which leaves no space for the Christian traditions reporting on those years to bear a grounding in the canonical texts of all four Gospels.

The Gospel of Luke speeds up the events of the pre-ministerial life of Jesus and jumps straight into his ministry by the middle of the third chapter. The only other important element of history in this section is the baptism of Jesus, which marks the beginning of his ministry. In a

---

[1] For instance, ancient Greek dramatist, Sophocles, uses this technique in his renowned Oedipus trilogy.

[2] Thomas L. Thompson, *The Messiah Myth* (New York, NY: Basic Books, 2005), 31.

[3] Zev Garber, *Teaching the Historical Jesus: Issues and Exegesis* (New York, NY: Routledge, 2015), 197.

[4] Christoph Rau, *The Two Jesus Boys* (Forest Row: The Temple Lodge, 2019), 39.

certain mystical way, the occasion of baptism falls into the pre-ministry phase because Jesus is not known yet in the way he will be known once he commences his ministry and starts to preach, make disciples, and heal sickly people. He is a rather lone figure until the moment of his baptism without an inner circle of disciples and ambitions of reaching out to the Jews and Gentiles with his vision of the kingdom of God.

Not much is known, again, about the life of Jesus between these two reported events, namely his visit to the temple at the age of 12 and his ritual baptism at the hand of John the Baptist that marks the beginning of his ministry. Even the most historical and detailed of the four, the Gospel of Luke, is silent about such a gap. This period of roughly eighteen years is usually called the 'unknown years' or the 'lost years' of the life of Jesus.[1] Although there is much detail developed around those years of his life in the extracanonical literature, yet that does not garner enough support in the canonical literature and the writings of the early church fathers to be accepted as a legitimate source containing historically correct information. Almost all of those stories are brushed off the table being embellished legends of later provenance. What is hypothesized about that segment of Jesus' life for the most part is that he worked with his (step) father, Joseph, in this rather long phase of adulthood as a carpenter.[2] Since the Gospel accounts were silent on those lost years of Jesus' life, the Christian lore would naturally develop a space for the lost years to be filled in with legends and miracles that sprang up through the natural course of time.[3] The most natural way for Christians to see those hidden years of the life of Jesus was the way of their aspiration, i.e. how they wanted the 'son of God' to act in the years of anonymity. As it is historically normative, therefore, hundreds of legends grew up and came into a wide circulation in Palestine and beyond ultimately finding their way into extracanonical literature.

From Ministry to Ascension:

The baptism in the Jordan River marks the commencement of the ministry that is to last another three years. John the Baptist is the prophet of baptism in Luke (3:3), a voice from the wilderness, an unadulterated man like the Essenes, who proclaims the forgiveness of sins through washing of the bodies into the waters of the Jordan River. John receives countless pilgrims everyday whom he baptizes in the Jordan River and purges their sins to return them to the pure state of a new birth in a spiritual sense. It is towards the final phase of John's ministry that Jesus pays a ceremonial visit to John as a pilgrim and seeks to be baptized by the hands of John the

[1] For more on this subject, see Dennis Price, *The Missing Years of Jesus* (Carlsbad, CA: Hay House, 2010), 1-4.

[2] A case can be made for the carpenter position by deriving an inference from Mark 6:3.

[3] Another sound research in the infancy and lost years of the life of Jesus will be found in the following book: Zen Garcia, *Yahushua Christ: Infancy, Childhood and Lost Years* (Sacred Word Publishing 2017).

Baptist (3:21-22).[1] John, reluctant in baptizing Jesus in the accounts of both Matthew and John, does not hesitate to recognize Jesus in the Gospel of Luke, which is a radical shift from the theology of early Synoptic Evangelists. Importantly, John's Gospel places John the Baptist along different theological dynamics where he admits that he is 'not even worthy to be his slave and untie the straps of his sandal' (John 1:27). That is, however, yet another step into the development of Christian theology, which exhibits the evolution in the church doctrine and tradition.

The account of Luke at this point is more linear and comparatively more historically-oriented. He gives a historian's description of the event without getting into too many theological details. The impression that surfaces from the narrative of Luke is that Jesus' ministry picks up a fast pace immediately after his baptism. On his return from the Jordan River, Jesus is tried and tempted by the actual person of devil in the wilderness the same way as the anecdote occurs in both Mark and Matthew. This event is theologically very important because it demonstrates the humanity of Jesus, which Christians use to distinguish it from his divinity. He is depicted being vulnerable to circumstances in the Gospel of Mark but Luke gives the impression that Jesus only voluntarily retires himself to the wilderness with the full knowledge that devil cannot do any harm to him.

Jesus, full of the Holy Spirit, left the Jordan and was led by the Spirit into the wilderness, where for forty days he was tempted by the devil. He ate nothing during those days, and at the end of them he was hungry. The devil said to him, "If you are the Son of God, tell this stone to become bread." Jesus answered, "It is written: 'Man shall not live on bread alone.'" The devil led him up to a high place and showed him in an instant all the kingdoms of the world. And he said to him, "I will give you all their authority and splendor; it has been given to me, and I can give it to anyone I want to. If you worship me, it will all be yours. Jesus answered, "It is written: 'Worship the Lord your God and serve him only.'" The devil led him to Jerusalem and had him stand on the highest point of the temple. "If you are the Son of God," he said, "throw yourself down from here. For it is written: "'He will command his angels concerning you to guard you carefully; they will lift you up in their hands, so that you will not strike your foot against a stone.'" Jesus answered, "It is said: 'Do not put the Lord your God to the test.'" (Luke 4:1-12)[2]

From this point on, there is no point of stoppage in the course of Jesus' ministry and his walk on the path of miracle working, healing, and discipling. This short-lived period of success turns into a movement of Kerygma rather than preaching of a potential salvific *gospel* or an invitation to forming a creed in the (future) redemptive sacrifice of Jesus. All of the above, especially the

[1] Luke, in fact, does directly not state who baptizes Jesus, but we know it from other places in the New Testament, such as Mark 1:9 and Matthew 3:13-16, that it is John the Baptist who baptizes Jesus and offers his homage to him and acknowledges his upcoming role as the promised Messiah of Israel after recognizing him.

[2] New International Version

gospel of sacrificial redemption and salvation, takes place later with the preaching campaign of Paul who, historically, sets the Christian mission in motion. The course of Christianity's self-realization only transitions after Paul's rendezvous with Jesus on the road to Damascus reported in Acts 9:1-9. On the other hand, the arbitrary semblance of the salvific *gospel* Jesus preached at this point was, if at all, that of the coming of the heavenly kingdom.

In the following three years, the ministry of Jesus spreads on a massive scale. He preaches the message of the kingdom of God, tells enigmatic and paradoxical parables, performs miracles, heals sick and leper, raises dead back to life, argues with Pharisees, admonishes the Gentiles, and in the end offers himself up as a redemptive sacrifice on the Roman cross for the sins of humanity.[1] From a psychological point of view, Jesus is a mind of his own age who appears to have been endowed with a revolutionary spirit, but who is deeply unhappy with the existing socio-political and economic orders of his society. Jesus attempts to muster up a social revolution by feeding equity, justice, and love into his immediate followers and audiences. However, fails to establish his authority as a socio-religious reformer in a societal cosmos where military strength is a trump card that matters the most at the culminating phase of a revolution in a messianic context and Jesus does not happen to carry that trump card in his messianic campaign.

Historically, the Jews would not be amenable to accept Jesus as the Messiah of the Talmudic tradition during the Second Temple Judaism period, for Jesus was a Messiah, as Gospels insist, who went out to conquer hearts rather than bodies and lands. This inner conquest was not an exquisite part of the Jewish plan and therefore their legalistic understanding of the concept of Messiah would not have been flexible enough to make a modification into their vision of a majestic Jewish Messiah. Jesus was, therefore, working against the time in the middle of a hostile nation, the Jews, and under a merciless regime, the Romans.

Politically, Jesus could not escape notice of the Roman authorities once he had accomplished a certain milestone in his movement and won over a handful of followers. This sociological analysis actually proves true in the case of Jesus because the scenario turns out to be identical in the Gospel narrative as one might anticipate only by looking at the movement in advance. Luke 9:10-17, for instance, narrates the episode of Jesus' feeding five thousand, which tells at least one important thing, if nothing else, that Jesus had a massive following at that point by the standards of the first century. Once the movement took off, the Roman authorities would automatically get concerned about such a huge social mobilization that was to broil a revolution beneath an apparently calm surface. It was, therefore, completely natural for the policing system of the Roman Empire to get alerted in the wake of such religiously motivated gatherings that had been attracting masses from across the land of Palestine and beyond. Jesus was, in the nature of reality, one such Jew that the Romans would view as a threat in the light of the past Jewish history under Roman suzerainty, especially the Maccabean revolt, once he had gathered some following and organized a meaningful show of power. To a reasonable degree of likelihood, it is also

---

[1] It is all true and non-debatable according to all four of the canonical Gospels. The Gospel of Luke does not maintain an exclusive position on this subject.

possible that Jesus was actually thinking about taking to streets of Palestine and carrying arms against the oppressor at this particular point in his ministry.

Looking back at the events from a historical angle, however, Jesus did not face off the Romans at any juncture during his ministry because his main focus was centered on questioning and intimidating the Pharisees and getting rabbis to think beyond the façade of the Law. His ministry was apparently universal in nature, for Jesus did not distinguish between the Jews and the Gentile in terms of preaching his message of God's approaching kingdom.[1] It is no secret that Jesus did not preach the New Testament *salvation* at any stage, which Paul later on identified with the crucifix sacrifice of Christ (1 Cor. 11:25; 15:1-11). Paul, as it turns out, took it to one particular extreme, i.e. evangelizing only the Gentiles, rather than witnessing the Jews within Jewish system and keeping his preaching in balance like Jesus himself did. Jesus, however, did not put on a completely Jewish or Gentile attire to be associated with either one exclusively. Such a thing perturbed and distressed the Jews more than the Gentiles, for the Jews did not have a high regard for the other nations and that would not allow the Jews to accept the Gentiles as equal.[2]

We will quickly skim through various important sections of the Gospel in the present tense in the following pages. It will broadly cover much of the ministry-based life of Jesus in the same sequence as laid out in the Gospel of Luke.

In chapter 9 of the Gospel of Luke, Jesus performs the miracle of feeding five thousand people with five loafs of bread and two fish (9:10-17). Peter professes his faith in Jesus outright after seeing his miracles and confesses that Jesus is indeed the Messiah (9:20).[3] In 9:28-34, the Christian view of transfiguration is described in almost an identical manner as in Mark, which only Peter, John, and James witness and thus they take on a special role for the future of Christianity. This transformation is especially important for the ancient audience that recalibrates the principal position of the New Testament that Jesus was not helpless and his sacrifice was by design rather than by circumstance. The beginning of the sixth section silhouettes the ministry of Jesus in Judea starting in verse 9:51. Jesus gives a framework to his followers on how to help others within the community in addition to handing down a master plan to carry out the work of discipleship (10:1-17). Again, Jesus performs an important task in this transition and teaches his audience how to pray effectively to God (11:2-4). Such a thing fills the theological void of a historically-driven Gospel that is crucial to the core of a religious text, *per se*.

---

[1] At least such is the impression in the Gospel of Luke. The Gospel of Matthew, however, gives a different impression, for it concentrates on the Jewishness of Jesus' message and ministry.

[2] Mark Allen Powell, *Fortress Introduction to the Gospels* (2nd Ed. Minneapolis, MN: Fortress Press, 2019) 105.

[3] Peter does the same in both Mark and Matthew. Therefore, it is quite probable that this event actually happened.

Apart from the imperatives, the message of Jesus also bears negative commands, such as exhortations on how not to act towards other people, including warnings against being hypocritical and judgmental (11:37-52). He emphatically tells his followers that they should not worry about the most common concerns in life, but they should trust God, instead (12:22-34). He also issues a stern warning to his audience that they must repent because if they do not repent, they will perish like many other sinners—especially like those Galileans who were murdered by Pontius Pilate.

Jesus answered, “Do you think that these Galileans were worse sinners than all the other Galileans because they suffered this way? I tell you, no! But unless you repent, you too will all perish. Or those eighteen who died when the tower in Siloam fell on them—do you think they were more guilty than all the others living in Jerusalem? (Luke 13:2-4)[1]

The seventh section of the Gospel of Luke runs from chapter 13:22 through chapter 19:22 and describes some of the most important teachings and miracles of Jesus. Jesus almost exclusively uses parables here to give radical lessons about one’s lifestyle and moral behavior in a living society. This section bears the kernel of readiness respecting the preparation for the final phase of his ministry. The eighth and last section of the Gospel is the most important section because it is the heart of the Christian doctrines. This section, therefore, yields important details about the arrest, trial, crucifixion, and resurrection of Jesus, the man who was to be preached as the Christ of all mankind in the coming ages. Jesus starts his journey towards Jerusalem in this section. In the meantime, he continues to deliver precepts about his followers’ moral behavior and social conduct that will be crucial to coexist and function in the community after his departure (21:19, 34). This, of course, can only come true after the disciples have actually understood the critical significance of reliance on God (22:40, 46).[2] Chapter 23 outlines the trial and torture of Jesus and gives a historically plausible picture of the events. It also records a brief dialogue between Jesus and Pontius Pilate, wherein Jesus does not give an explicit answer to Pilate whether he is the “King of Jews” (23:3). The Jews demand him to be sentenced to death when Pilate attempts to convince them that there is nothing wrong with the moral and legal conduct of Jesus. The Jewish leaders, however, refuse to listen to him and persist in their demand of hanging Jesus. The crucifixion, death, and burial all take place in the chapter 23.

Finally, chapter 24 details the resurrection of Jesus and his ultimate ascension into heaven—a point where, according to the author, the meaning of *euangelion* fructifies in spirit. Here the Gospel blends the realms of historical and meta-historical to present a perfect package of theology and history combined for the religious base of Christianity. This chapter reflects a satisfied Jesus, but perplexed and puzzled disciples. Jesus appears to be in complete control of the situation because, after having risen from the dead, he is in his ultimate *divine* form that does not know infirmity, anguish, and dependence. Jesus appears to different disciples individually before appearing among all of them at the same time. Once they are all together, Jesus appears

[1] New International Version

[2] Reliance on God among Jesus’ disciples becomes a doubtful idea when approached from the example of Peter who denies Jesus three times in his trial.

before them and teaches many final things, especially instructing them to stay in the city until the Holy Spirit comes to them with the power from God as their spiritual reinforcement. From there on, the story is continued in the Book of Acts.

Critical Appreciation:

The author of the Gospel of Luke is a historian of an era when history writing was yet on its primitive stages. We cannot expect a purely historical picture from the author of Luke's Gospel because there was no such a thing as a refined historical genre in the first century. If we compare, for example, Luke's work with those historical writings of Josephus, Herodotus, or Plutarch, the element of legend seems to be present everywhere as an important source of historical information. It is quite obvious from those historical writings that the ancient historians would not distinguish between actual history and legendary slash mythical tales along such scientific lines as it is the standard practice in modern academia. They were, quite probably, not even much concerned with that kind of para-historical approach. To them, history was any piece of information about the past regardless its possibility or impossibility and the debatable nature of the provenance.

Luke's Gospel is a great piece of historical-cum-theological writing that has a particular agenda to cater: writing the biography of Jesus for the church. Therefore, this agenda of helping the Christians of the first century to become better familiar with the life of their proclaimed savior is observably well catered in the Gospel, for the church owes many of her traditions, such as the one of the Good Samaritan, exclusively to the Gospel of Luke.

There is not much Jewishness in the Gospel of Luke, which can be, probably, the result of two hypothetical reasons, (i) either the writer is himself a Gentile, or (ii) he is writing his historical account of Jesus for a Gentile church. In Luke's case, it turns out that both of the above scenarios are true. In spite of being a written work intended to be exclusively for the Gentile audience, the Gospel of Luke remains the most consistent biographic sketch of the life of Jesus, the Messiah of the church.

Bibliography:

Garber, Zev, *Teaching the Historical Jesus: Issues and Exegesis.* New York, NY: Routledge, 2015.

Garcia, Zen, *Yahushua Christ: Infancy, Childhood and Lost Years.* Sacred Word Publishing, 2017.

Goodacre, Mark, *The Synoptic Problem: A Way Through the Maze.* New York, NY: T&T Clark, 2001.

Marguerat, D., *The First Christian Historian: Writing the 'Acts of the Apostles'.* Cambridge: Cambridge University Press, 2002.

Porter, Stanley E., and Andrew W. Pitts, *Christian Origins and Hellenistic Judaism.* Leiden: Brill NV, 2013.

Powell, Mark Allen, *Fortress Introduction to the Gospels*. Minneapolis, MN: Fortress Press, 2019.

Price, Dennis, *The Missing Years of Jesus.* Carlsbad, CA: Hay House, 2010.

Rau, Christoph, *The Two Jesus Boys.* Forest Row: The Temple Lodge, 2019.
Thompson, Thomas L., *The Messiah Myth.* New York, NY: Basic Books, 2005.

Bible Sources:

NIV Bible and NLT Bible